

اپنے تاج کو ستون بنانے کے جذبے سے غلوب بعض سرزمینوں کے کاربانے نمایاں

تحریکِ مزاحمت

علیم الحق حقو

ملکی سیاسی تاریخ کو دیکھنا کہ عہدِ بریتانوی کا مریض کتنا کچھ
اگرچہ جراثیم نہیں۔ جہاں ایک محبت و وطن اور بھلائی کے
مقابلہ میں قادیانیت اور ناقص فطرت کے لیے کارہیسیاں انجام
دینے والوں کی اکثریت رہی ہے۔ قوم کے یہ نجات دہندہ "زمینوں
والے" کے عہد کے لیے تھے۔ قوم کے لیے تھے۔ زمینوں والے
یہ بھلائی اور بھلائی اور بھلائی اور بھلائی اور بھلائی اور بھلائی
اور قوم کی بھلائی اور بھلائی اور بھلائی اور بھلائی اور بھلائی
کرتے تھے۔ زمینوں والے ان کے قتل پر پشیمان اور افسوس منہ
ہو رہے تھے۔ زمینوں والے ان کے قتل پر پشیمان اور افسوس منہ
ان کی زمینوں کا حاصل ہوا تھا۔ مہاراجہ ملک میں راج پرستی اور
احترام کے لیے ہی قابلِ شرم مہاراجہ اور پٹیلوں کے خلاف لڑے تھے۔ زمینوں
چشم کشا داستانِ قوم کے سیاسی شعور کے لیے ایک نئے طوطا
انہی محبت اور بھلائی اور بھلائی اور بھلائی اور بھلائی اور بھلائی
سامان کرتے تھے۔ ان سیاسی بازیگریوں کی جگہ طلبہ نے آزادی کے بعد
بھی قوم کو آزادی دینے دیا۔ انگریزوں کے یہ یہ دام غلام۔ آج
انگریزوں کی عزت مینامیت کرتے، زمینوں والے کے خون سے غسل
دینے اور انگریزوں کے خلاف لڑنے کے خلاف لڑنے کے خلاف لڑنے کے خلاف لڑنے
خود کو سرخسوں کی بھلائی اور بھلائی اور بھلائی اور بھلائی اور بھلائی
وارثوں کے بڑے بڑے عظیم۔ جہاں زمینوں والے کے خلاف لڑنے کے خلاف لڑنے
کے لیے رہنا تھا۔ زمینوں والے کے خلاف لڑنے کے خلاف لڑنے کے خلاف لڑنے
فطری جمہوریتیں قومیں تھیں۔ زمینوں والے اور زمینوں والے
یہ ہوں۔ زمینوں والے کے خلاف لڑنے کے خلاف لڑنے کے خلاف لڑنے
ختم ہوں۔ زمینوں والے کے خلاف لڑنے کے خلاف لڑنے کے خلاف لڑنے
یہی۔ زمینوں والے کے خلاف لڑنے کے خلاف لڑنے کے خلاف لڑنے

انگلینڈ میں زمینوں والے کی زمینوں کے لیے جملہ لڑنے والی تحریک

اور مٹی سے وفاداری کے سلسلے میں نہیں ملی تھیں۔ وہ تو انگریز ہمارے
کی مہربانیاں تھیں۔ وطن سے غداری کا صلہ تھا۔ کسی کو آزادی کے
مجاہدین کی فہمی کرنے پر انعام ملا تھا۔ کوئی انگریزوں کے سگے
شہانے والا تھا۔ کسی نے انگریزوں کو اعلیٰ نسل کے حریت یافتہ
گھوڑے فراہم کرنے کی خدمت انجام دی تھی۔ کسی نے جنگ
عظیم کے دوران وطن کے جوانوں کو انگریز فوج میں بھرتی کرانے کا
میشن واصل کیا تھا۔ گویا خون چھا وطن کی رگوں سے۔ اب
لوگوں کو معلوم ہو رہا تھا کہ جن جاگیرداروں کی وجہ سے اس آزاد ملک
پاکستان میں جاگیرداروں کو عزت ملی ہے وہ حقیقت انہی کی وجہ سے
انہیں مزا اور زلت ملنا چاہیے تھی۔ زمینیں اور جاگیریں وطن سے
غداری کے کٹے ثبوت کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ہوتا یہ چاہیے تھا کہ
اگر خداوند کی اولاد کو معافی بھی دی جاتی تو کم از کم زمین ان سے
پر حال میں چین کی جاتی اور فرشی سلام کرنے والے حکومتوں میں
تقسیم کردی جاتی۔ لیکن ایسا کرتا کون؟ مینتالیس سال ہونے کو
آئے تھے اور ملک پر سکرائی وہی لوگ کر رہے تھے۔ تہی کا سرچشمہ
عوام تھے اور دساکل کے حق دار خواص۔۔۔ وہی سردار و فیرے
اور جاگیردار۔

انتہائی مرکز میں شباب پر تھیں! وہ کسی کی باہ ظلم کی وجہ سے ہونے والی کسی سازش کا نتیجہ
ہوں۔ مسلسل انتقامات کا ایک فائدہ ہر حال ہوا تھا۔ غلام میں اب
شعور پیدا ہو رہا تھا۔ اشارات نے بھی اس سلسلے میں بڑا اہم کردار
ادا کیا تھا۔ شہلوں سے حکومت میں جتنا لوگ اپنی طاقت سے بھی
آگیا ہو رہے تھے اور سرداروں، جاگیرداروں اور وڈیروں کی
حقیقت پر بھی غور کرنے لگے تھے۔ یہ بات بھی ان کی سمجھ میں آئے
گئی تھی کہ انہیں اور ان کی شہلوں کو تعلیم سے محروم رکھنے کی
کوشش کیوں کی جاتی رہی ہے۔ انہیں ان کے آباد اچھانے
صرف اتنا بتایا تھا کہ خدا کے بند انہیں بس جاگیردار کا احترام کرتا
ہے۔ اس سے وفاداری بھائی ہے اور اسی کا حکم ملتا ہے۔ اس کی
زیادتی بھی انعام ہے اور اس کی غور کبھی صلہ۔ سو وہ سردار
وڈیرے اور جاگیردار کے قدموں میں بیٹھنے والے اور اسے فرشی
سلام کرنے والے بن گئے۔ لیکن اب ان کے بچے جو ہزار کاڈوں
کے باوجود تعلیم کی چتر کر رہے تھے۔ انہیں سمجھ لائے تھے۔ انہیں اخبار پڑھ کر
سناتے تھے جو کہ ان کے بڑے انہیں بتاتے کی ہمت نہیں کر سکتے
تھے۔ ان کے بچے انہیں بتا رہے تھے۔ بڑی بڑی جاگیریں وطن پرستی

پائیں ہیں۔ جاگیردار سے تنگ حوالی کرے گا تو اللہ کے اس بھی
نہیں بخشا جائے گا۔

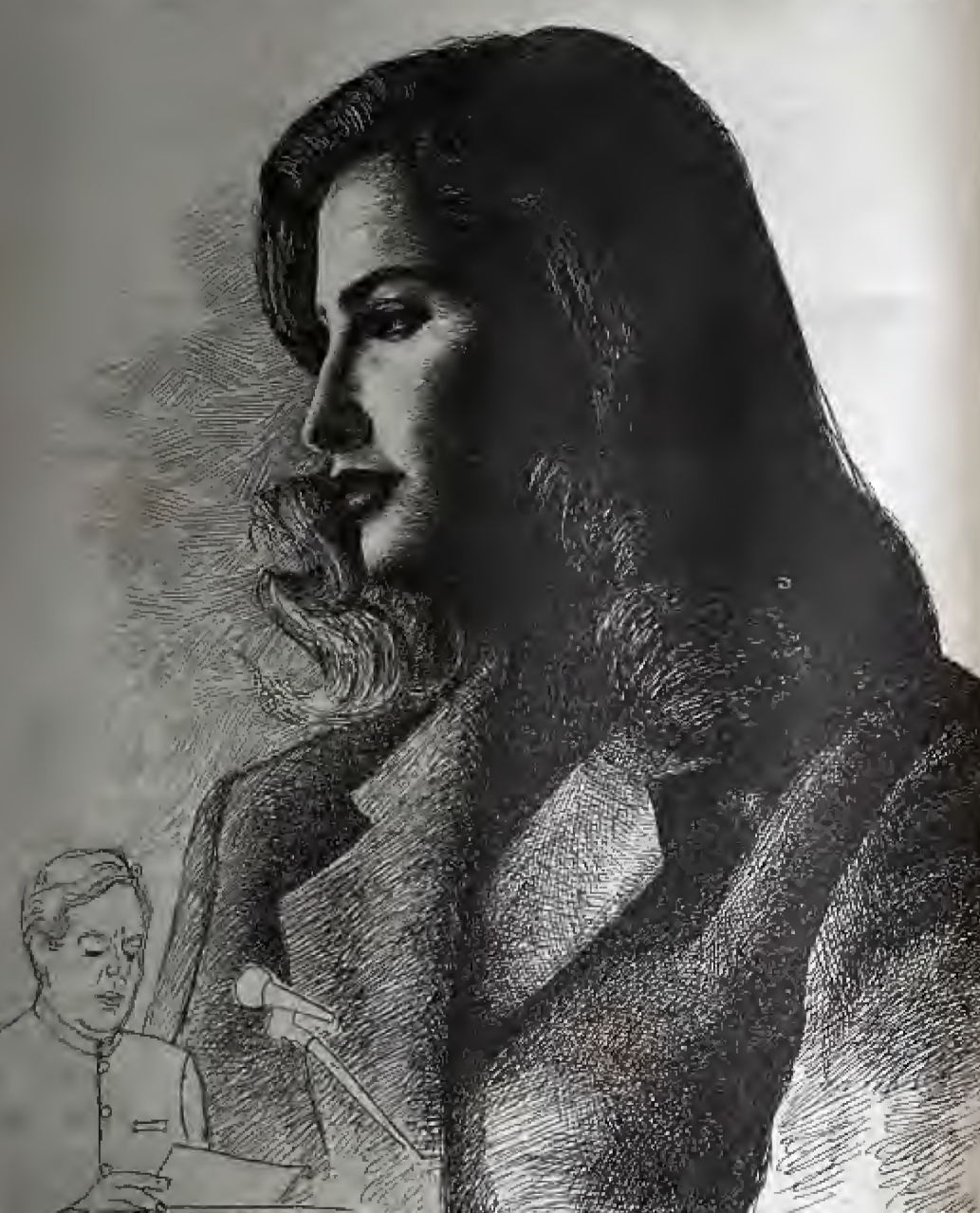
اور انہی کے لئے میں مرثا پچھڑا ہوا "کیسی تنگ
حوالی بابا۔ ہم تو تمہاری موت کا کھاتے ہیں۔"

"پھر بھی یہ جاگیردار کی مہربانی ہے۔"

لیکن بچوں کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ انہوں نے دیکھا تھا کہ

عام حالات میں جاگیردار سلام کرنے میں سستی کرتے والے کی

کمال کھنچا ہوا ہے لیکن انکس کے ان دلوں تو خود عاجزی اور



اٹھارے سے ملتا ہے یہاں تک کہ خود ہی سلام کر لیتا ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ بڑی طاقت ہے اور اس طاقت سے ملک کی خوش حالی سمیت سب کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

تو وہ انتظامات اٹھائی ہوئی اس پر ادنیٰ کے داخل میں ہو رہے تھے۔ انقلاب تو ابھی بہت دور تھا لیکن اس کے لئے نشان دہی تھی۔

ہزاروں کے ایک انتظامی طبقے میں جو امیدوار تھے۔ ایک تو وہ تھا جو کڑی امتحانی میں ہونا چاہتا تھا۔ اسے اپنا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا۔ لوگ اب چونکہ اس سے وعدے نہیں کر رہے تھے۔ وہ منطوق امیدواروں کا قحطی ایک ہی برادری سے تھا۔ ایک ملاوا تھے جو بڑی برائی اور چھوٹی برائی کی بات کرتے اور خود کو اچھائی قرار دیتے ہوئے وہ بڑی طلب کرتے۔ ایک اور ملاوا تھے جن کے لیڈر خود کو فنی دینے اور ہند میں قائمہ فکریات پر اس میں شریخی تحقیقات لانے کے سلسلے میں بہت بدنام ہو چکے تھے۔ اور چنانچہ امیدوار ایک ایسا نام تو ہی تھا جسے اپنے علاقے اور اپنے لوگوں کی خدمت کا شوق چاہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی ضمانت ضبط ہو جائے گی لیکن وہ دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھا۔

اس طبقے سے سرخان اور منصف خان منطوق امیدوار تھے۔ ان کا تعلق اس طبقے کی سب سے بڑی برادری سے تھا۔ دونوں کے درمیان رشتے واسی بھی تھے لیکن سیاست، سر حال رشتے داری سے ہٹ کر بڑی جڑ ہوئی ہے۔ برادری کے بڑے بھی ان دونوں میں سے کسی ایک کو ہٹانے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ مقابلہ لڑنے کا تھا۔ دونوں ہی دولت مند تھے۔ دونوں کے پاس بڑی زمینیں تھیں اور دونوں ہی جانتے تھے کہ یہ زمین والا چلو اس انکیشن میں کمزوری ہے۔ لیکن دونوں کے پاس اس کا مؤثر تو ہونے لگا تھا۔ مستقل جواب موجود ہو تو کوئی کسی سوال سے نہیں ڈرتا۔

دوست بڑا بلند عام تھا۔ حاضرین کی تعداد دیکھ کر منیر خان کا سینہ فخر سے پھول گیا۔ اس نے اپنے ایک مصاحب کے کان میں سرگوشی کی "گلے ہے ہم انکیشن بیت گئے۔"

مصاحب نے دیکھا سینہ بھلا لیا "خان جی۔ ہم نے کام بھی تو دہشت کیا ہے۔ دن رات ایک کر رہے ہیں آپ کے لئے۔"

حیران کے توجہ دے دیکھ کر اس نے اپنی خوشستانی کو بریک لگایا۔ "اور منیر خان جی آپ کی عزت۔ آپ کی سادگی بھی بڑی ہے۔"

"خان جی۔ عوام نے تو آپ کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے۔"

ایک اور مصاحب بولا "اب بس مارچ کو انکیشن کرانے والوں کے فیصلے کا انتظار ہے۔"

"ان کا فیصلہ بھی آپ کے حق میں ہوگا۔" پہلے مصاحب نے محسوس کیا کہ خداستانی کی وجہ سے اس کے فہم کو بگڑے ہیں۔ اسے اس کو گورنر کا تھا "اس لئے خان جی کہ آپ کا کافی دوست اپنا ہے۔ لوگ ایسے ہی دہشت نہیں دے دیتے کسی کو۔" بھی انہیں دیکھ کر ہنس رہے تھے کہ پبلک کس کے ساتھ ہے۔

منیر خان کے بچا خان وحید بھی یہ شکوک رہے تھے۔ انہوں نے دھیمی آواز میں منیر سے کہا "اور منیر یا بلکہ یہ جو جیلے کا رش ہے یا اس سے کوئی خوش فہمی نہ پکڑ۔ آج کل لوگ ہمسوں میں شور مچاتے ہیں۔ کچھ سوال کرنے کے لئے اور کچھ پٹا لگا کرنے کے لئے۔ اب کچھ دن بعد پبلک امیدوار سے کیرکٹورس ٹینکٹ بھی مانگا کرے گی۔"

منیر خان کو کچھ کی بات ہوتی تو بہت مٹی لیکن وہ بزرگوں کا بڑا احترام کرتا تھا۔ اس نے رش لیتے میں بچا سے صرف اتنا کہا "او چھوڑنا چاہا جی۔ تم فخر مت کرو۔ وہ وقت آئے گا تب بھی ہم پیچھے نہیں ہوں گے۔ ہم تو صد مصاحب سے بھی سر ٹینکٹ لے لیں گے۔"

"مگر تو خود سر ٹینکٹ کی ضرورت ہے۔ اس کو کون دے گا؟ چاروں بڑے بڑے۔"

بلکہ شروع ہوا تو کچھ کی بات درست ثابت ہوئی۔ جیسے ہی تقریر کے لئے منیر خان کا نام پکارا گیا، انہیں سے کسی شریعت نے حلق کے بل پیچھے ہوئے سوال اٹھایا "یہ زمینیں اور جائیدادیں کس لئے ہیں؟"

جواب میں ایک کورس گونجا "سکھوں نے۔۔۔ انگریزوں نے۔"

"کس کو دیں؟" ایک اور سوال اٹھا۔

اس بار جواب مختلف سطحوں میں بکھرا ہوا تھا۔

"سید بادشاہ کے خلاف سازش کرنے والوں کو" ان کی مراد سید احمد شہید سے تھی۔

"تعدادوں کو۔"

"مجنوں کو۔"

"انہوں کے خدمت گاروں کو۔"

"انگریزوں کا اسٹبل بنانے والوں کو۔"

"ایکھوں کو" والاں کو۔"

منیر خان ایک خاصے خاموشی کا انتظار کر رہا تھا۔ ایک اعتبار سے یہ ہنگامہ اس کے حق میں تھا۔ اسے اپنا حوصلہ جمع کرنے اور صورت حال کے لئے تیار ہونے کا موقع مل گیا تھا۔ جس ضرورت اس بات کی تھی کہ وہ مؤثر انداز میں جواب دے دے۔ اس کے بعد صورت حال اس کے حق میں ہوئی۔ جب اس نے محسوس کیا کہ لوگوں کا جوش و خروش سرد پڑ رہا ہے اور خاموشی ہونے والی ہے تو اس نے اپنا ہاتھ فضا میں یوں بلند کیا جیسے لوگوں کو خاموش رہنے پر سکون ہوجانے کی تلقین کر رہا ہے۔ توجہ کے مطابق چند سیکنڈ میں خاموشی چھا گئی۔ اب اس کا پس ایجنٹ اخبار والوں کو خبر دیتے ہوئے پورے وقتوں سے لکھ سکتا تھا۔۔۔ عوام کے محبوب لیڈر منیر خان نے خاموشی کی اپیل کرتے ہوئے ہاتھ بلند کیا تو جیلے میں اڑ جانے والوں کا زور لہجوں میں ٹوٹ گیا۔

چند لمبے سکوت رہا۔ پھر جلسہ گاہ میں چاروں طرف لگے لاؤڈ

ایک طرف منیر خان کی آواز ابھی "بھائیو! بھائیو! بزرگو! سائیر! السلام علیکم۔"

"بھائیو! بھائیو! بزرگو! سائیر! السلام علیکم۔"

منیر خان نے ہاتھ خوش ہوئی کہ قوم اب باشعور ہو گئی ہے "منیر خان نے ہاتھ کلام کیا "آپ لوگوں کو اپنی طاقت کا علم ہو گیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ کے لیڈروں کو آپ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ میں ان لوگوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے میرے جلسے میں وہ سوال اٹھایا اور ان حقیقتوں کا ذکر میرے کی شکل میں کیا جن سے آج یہ پورا ملک گونج رہا ہے اس کا جواب ہر سردار ہر باغیوار اور ہر پرویز کے کوٹنا ہے۔ لیکن وہ جواب نہیں دے سکیں گے اور اس ملک کے باشعور عوام اب انہیں مسترد کر دیں گے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے جلسے میں میرے چاہنے والوں نے یہ سوال اٹھایا۔ اگر میں خود سے "منیر" کہتا تو اس سوال کا جواب دیتا تو آپ لوگ کہتے کہ چور کی داڑھی میں تھکا والا معاملہ ہے۔"

اس پر جلسہ گاہ میں فحشے گونجے۔ منیر خان نے اپنی بات جاری رکھی "لیکن اب میں جواب دے سکتا ہوں۔ وضاحت کر سکتا ہوں۔ بے شک میرے پاس آبائی زمین ہے اور بہت ہے لیکن وہ میرے بزرگوں کی خون پسینے کی کمائی سے خریدی ہوئی زمین ہے۔ میرے بزرگوں کو اپنی مٹی سے محبت تھی۔ اسی لئے وہ روکھی سوکھی کھاتے۔ مونا بھوٹا پیٹنے اور اپنا پیٹ کاٹ کر زمین خریدتے۔ میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں۔۔۔ اس کے پاک کلام کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔۔۔ آپ مجھ سے حلف اٹھالیں۔ میرے بزرگوں کو زمین نہ سکھوں نے دی نہ انگریزوں نے نہ انہوں نے سید بادشاہ سے بے وفائی کی نہ وطن سے غداری۔ میرے بھائیو! بزرگو! آپ اللہ پر یقین رکھتے ہیں یا؟"

جیسے سے آواز میں بلند ہوئیں "ہم مسلمان ہیں۔ ایمان والے ہیں۔"

"تو میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے بزرگ قابل فخر تھے۔ انہوں نے انگریزوں کی عزت لایا سیٹ کر کے دکھ دی۔ اس کی خاطر انہوں نے اپنی عزت کی بھی پروا نہیں کی۔ مجھے فخر ہے کہ میں ان کی اولاد ہوں۔ اس علاقے کو بھی ان پر فخر ہونا چاہئے۔ ہم وزیر خان کی اولاد اس زمین کی عزت کے پاسمان ہیں۔۔۔"

تین دن بعد اسی مقام پر منصف خان کا جلسہ ہوا۔ وہاں بھی ایک سب کچھ ہوا۔ منصف خان نے بھی خدا اور قرآن کو گواہ بنا کر اپنی کچھ کہا۔ اس نے ایک اور دعویٰ کیا "انگریزوں کی خدمت تو بہت دور کی بات ہے۔ بھائیو! بزرگو! میرے دادا سعید خان نے تو انگریزوں کے مقابلے میں ایسی شدید مزاحمت کی جس کی تاریخ میں نظیر نہیں مل سکتی۔"

"جینے بے نظیر مزاحمت" ایک مصاحب نے ٹکڑا لگایا۔

"ہاں۔۔۔ بے نظیر مزاحمت" منصف خان نے جوش سے کہا۔

"اور یہی نہیں۔ انہوں نے اس زمین کو انگریز کے خون سے غسل

منیر نے ڈاکٹر سے کہا "میری کلنژی کی مصنوعی ٹانگ جیسی تکلیف دہ ثابت ہوئی ہے۔"

ڈاکٹر حیرت زدہ رہ گیا اور سریش کو گھورتے ہوئے بولا "کمال ہے کلنژی کی مصنوعی ٹانگ تمہارے لیے کیسے تکلیف دہ ثابت ہوئی ہے؟"

"بات دراصل یہ ہے ڈاکٹر صاحب "مریض نے سر جھکا کر جواب دیا "میں مہی کی لے کلنژی کی یہ مصنوعی ٹانگ اٹھا کر میرے سر پر دے ماری تھی۔"

بھی بولا۔

سارہ لوح دین دار لوگ اس میں شک نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ رسول اور قرآن کو گواہ کر بھی گواہ بنائے تو اس پر شک نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن علاقے کے جوانوں کا معاملہ مختلف تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مفاد پرست سیاست وال اسے اقتدار کے لئے ہر جھوٹ بول سکتے ہیں۔ فحش بھی ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور لڑاؤ جیتنے ہوئے دلوں ہم بھی بولا لیتے ہیں۔ وہ یہ سب کچھ دیکھ چکے تھے اس لئے انہیں اعتبار نہیں تھا اور وہ یہ حد بھی کر چکے تھے کہ اس بار وہ بہت سوچ کچھ کر دیں گے۔

وہ سر جوڑ کر بیٹھے سوچتے رہے۔ آخر انہیں بابا فرقان کا خیال آیا۔

○☆☆○

بابا فرقان علاقے کا سب سے ستر شخص تھا۔ اس کی عمر سال سے کچھ اوپر ہی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ وہ اس عمر میں بھی جان وچوند تھا۔ اس کا حافظہ غصب کا تھا۔ وہ چلتی پھرتی تاریخ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسے ہر بات یاد تھی۔ اور کہہ گدہ اپنے زمانے میں بہت سوشل اور سیلائی آدمی تھا لہذا اس کی مطعات بھی بے حد وسیع تھیں۔ وہ صحیح معنوں میں ایک دانہ و دانہ شخص تھا۔ لوگ اپنے پیچھے وہاں ملاقات میں اس سے مشورہ کرتے تھے۔

نوجوانوں کا وہ گروپ اس کے پاس آیا تو اسے حیرت ہوئی۔ کیونکہ نوجوان اس کی طرف کسی ہی متوجہ ہوتے تھے۔ ہر حال اس نے شفقت سے انہیں بیٹھے کرکھا اور گرما گرم توتے سے ان کی تواضع کی۔ پھر اس نے ان سے لپچا "کیا بات ہے میرے بھائیو؟"

نوجوان کھیلنے لگے "بابا! آپ کے پاس آتے تو دل تو بہت کرنا ہے" ایک لڑکے نے کہا "لیکن خدمت ہی نہیں ملتی۔"

"میں میرے بھائیو! بابا فرقان نے ہاتھ اٹھائے ہوئے کہا "میں

لوگوں پر مخالفت نہیں جتنی تمہاری عمر بڑھ گئی ہے۔ یہ مخالفت تو بعد کی چیز ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ حتی الامکان اس سے بچنے رہنا۔ یہ ترین سنت ہے۔
 ”لیکن اب ہم۔۔۔“

”میں جانتا ہوں کہ تم میں اور تم میں ایک ممدی کا فاصلہ ہے۔ بابا فرقان نے بات کاٹنے والے کہا۔ میں تم سے بہت پیچھے ہوں۔ تمہارے پاس اپنے عہد کی روشنی ہے اور میری آنکھیں اس روشنی کی عادی ہو چکی ہیں۔“

”لیکن آپ کے پاس دانش ہے جو صرف عمر گزارنے سے آتی ہے۔“ ایک اور لڑکے نے کہا۔

”ہاں یہ درست ہے۔ لیکن آج کل دانش کی قیمت کوئی نہیں کرتا۔ ضرورت تو اس کی بھی کوہنی ہے۔ خیر۔۔۔“

”بابا آپ کے پاس دانش ہے۔ آپ کے سینے میں تاریخ ہے اس علاقے کی۔ میں آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔“

”سفر تو اب تم لوگوں کو کرتا ہے۔ بابا فرقان نے گہری سانس لے کر کہا۔ میں تو بس تمہیں اپنے تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں مشورہ دے سکتا ہوں۔ تم بتاؤ مسئلہ کیا ہے؟“

”وہ بابا آپ کو معلوم ہے، پھر انٹرنیشنل فورس ہے۔“
 ”ہاں مسئلہ کی کے جتنے صحرا میں ہم جاں لوگوں پر گڑھوں کے منڈانے کا موسم پھر آتا ہے۔“

”بابا اس بار ہم دم کا نہیں کھانا چاہتے۔“
 ”بہت اچھی بات ہے۔ بابا فرقان نے کہا۔ حالانکہ قوم و کچہ بھال کر کبھی لٹنے کی عادی ہے۔“

ایک نو جوان نے امیدواروں کے متعلق تفصیل بتائی۔ پھر منیر خان اور مصطفیٰ خان کے درمیان کے متعلق بتایا۔ ”آپ تو ان لوگوں سے خوب واقف ہیں۔ آپ نے ان کے بزرگوں کو بھی دیکھا ہو گا۔ انہیں یہ بتائیے کیا وہ کچھ کہہ رہے ہیں؟“

بابا فرقان کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ دیر تک خاموشی رہی۔ بابا سوچتے رہے اور نو جوان انہیں متوجہ انگڑوں سے دیکھتے رہے۔ پھر بابا نے کہا۔ ”ہم کا معاملہ ہے بچو۔ میں جھوٹ اور سچ کا فیصلہ سنا کر اس میں مریش گناہ کار کیوں بنوں۔ دلوں کا۔۔۔ بچوں کا حال تو صرف خدا جانتا ہے۔ ہاں میں تمہیں اس مزاحمت کا انگریزوں کی عزت لمبا میٹ کرنے کا اور اس زمین کو انگریز کے خون سے غسل دینے کا حال سنا رہا ہوں جس کی قسمیں گھائی جا رہی ہیں۔ کچھ آنکھیں دیکھا ہے اور کچھ کانوں سے سنا۔ گھائی کی شکل میں سن لو۔ پھر اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق خود ہی فیصلہ کر لو۔“

یہ کہتے کہتے بابا فرقان کی نظریں اٹھیں اور دیوار اور چھت کے فضا اشغال پر جم گئیں۔ ان کی انگڑوں میں ایسا آؤ تھا جیسے وہاں کوئی اسکرین ہو جس پر فلم چل رہی ہو۔ پھر انہوں نے جیسے کھنکھائی شہر کی گدی۔ نو جوان ان کی آواز

کی دھڑکام کر کے بچے۔ بہت پیچھے چلے گئے۔
 ○●○

مہم کار کی دھوپ میں قنارت شدید تھی۔ دونوں جوان ہم مرتبہ وہ دروازہ تھے۔ ان کے جسم تلے ہونے تھے۔ رکھت سرخ و پید تھی۔ دونوں کی آنکھیں پھولی تھیں لیکن ایک کی آنکھوں میں ہلکا سا پلٹا پن تھا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرنے آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کی پیشانیوں پر سینے میں ترسٹیں اور دھوپ سے چہرے تھما رہے تھے۔

”بہت گرمی ہے یارا۔“ ایک نے دوسرے سے کہا۔ ”کبھی درخت کے نیچے دم لے لیں ذرا۔“

”میرے ہاتھ سے ہو وزیر خان۔“ دوسرے نے کہا۔ ”تو راجو“ اس وقت لاہور میں کیا حال ہو گا۔“

”مگر لاہور میں ہم پیہرہ کھاتے تھے۔ سعید خان۔ پیہرہ کھانے میں غرضیں چلتا رہا۔“

”یارا۔۔۔ اب گھر چل کر بی آرام کریں گے۔“ سعید خان کو گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔

”میں یار نہ مٹنا دے گا۔ دھوپ بہت تیز ہے۔“ دونوں چٹار کے ایک درخت کی طرف بڑھ گئے۔ وہ بہت گہرا درخت تھا۔ جہاں بہت لمبھڑی تھی۔ انہوں نے اپنی اپنی گھڑی کندھے سے اتار کر پیچھے رکھی اور پاؤں پھیلا کر بیٹھ گئے۔

درحقیقت دونوں بہت تھکے ہوئے تھے۔ دولاہور سے آ رہے تھے۔ لاہور سے راولپنڈی اور پھر راولپنڈی سے انیسو تک وہ لاری میں آئے تھے اور اب گاؤں انہیں پیدل پانا تھا۔

”گھنٹھک بڑی یارا۔“ وزیر خان نے طمانیت بھرے لہجے میں کہا۔ اس نے آنکھیں میو میو کی تھیں۔

”اب سو نہ پانا۔“

”تمہیں گھر بیٹھنے کی بہت جلدی ہے۔“

”ہمارا سال دو گھنٹے کر دیکھ۔“

دونوں کے درمیان رشتے داری تھی۔ ایک اور رشتے کا اہتمام بھی ہونے والا تھا۔ سعید خان کی بہن ریشم وزیر خان سے منسوب تھی۔ اس کے علاوہ ان دونوں میں دوستی بھی بہت تھی۔ لگتا انہیں ایک جان دو قالب کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ گاؤں چھوڑ کر شہر جانے اور قسمت آزمائی کرنے کا فیصلہ وزیر خان نے کیا تھا۔ سعید خان کو اس کے ساتھ جانا ہی تھا۔ بچپن ہی سے دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے۔

گاؤں میں کیا اس پورے علاقے میں ہی ہونے کا بہت کم تھا۔ دس سال ہی نہیں تھے۔ ان کے باپ دوسروں کی زمینیں کاشت کرتے تھے۔ فصل میں حصہ مل جاتا تھا۔ ایک بھینس رکھی ہوئی تھی۔ اس سے دودھ لسی بھینس نکل آتا تھا۔ گزارہ ہو جاتا تھا۔ پر پیہر ہاتھ میں کم ہی آتا تھا۔ یہ صورت حال مایوس کن تھی۔

یہی سوچ کر دونوں لڑکوں نے لاہور کا رخ کیا تھا۔ شرمندہ بھی تھے۔ مصطفیٰ اور جگمگ بھی۔ ہر کام کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اسی پکڑ میں ہر کام کیجئے بھی گئے۔ ذہن بھی تھے۔ ہر کام کے متعلق آزمائی سے سمجھ جاتے تھے۔ سادہ زندگی گزارنے والے تھے۔ چار سال میں انہیں پہلی رقم ملی۔ اب اپنی دانست میں وہ امیر ہو کر گھر واپس آئے تھے۔

”بھوک لگ رہی ہے۔“ سعید خان نے کہا۔

”پلو کا ناکھا لیتے ہیں۔“

وزیر خان نے گھڑی کھول کر ایک پوٹیا پر آدھی۔ پوٹیا میں روٹی تھی اور کر تھا۔ اس نے روٹی اور کر سعید خان کی طرف بڑھایا اور خود بھی کھانے لگا۔ کھانے کے بعد پیاس لگی تو انہیں اچھٹا پڑا۔

”کچھ آگے جا کر ایک پھاڑی پشہر نظر آگیا۔“ دونوں پانی پر ٹوٹ پڑے۔ اس طرح پانی پینے کی لذت تو وہ بھول ہی گئے تھے۔ پانی بہت گھٹا اٹھا اور فرصت بخش تھا۔ ان کی روح تک خوش ہو گئی۔

سعید خان بہت بے چہیں تھا۔ اس کا پس پینا تو ان کو گھر پہنچ جاتا۔ لیکن وزیر خان اب بھی آرام کے سہو میں تھا۔ ”یارا کھانا کھانے اور پانی پینے کے بعد ایک دم سفر میں کرنا چاہئے۔ صحت کے لئے براہ راست ہے۔“ اس نے کہا۔ ”پینے میں جلدی کیا ہے۔“

سعید خان بال بال خاموش ہو گیا۔ اسے ساتھ کے بعد ساتھ چھوڑنا اچھا بھی تو نہیں لگتا تھا۔

ایک کھنکھانے والے دونوں نے دوبارہ سفر شروع کر دیا۔ انہیں ایک پہاڑ اور صحرا کو دیکھا۔ چھوڑ دلوں پہنچ جاتے۔

پہاڑ پہنچ کر وہ روکے اور انہوں نے نیچے زمین پر روٹی کی طرح بچھے ہوئے گاؤں کو دیکھا۔ سب کچھ دیرسا ہی تھا جیسے وہ چھوڑ کر گئے تھے۔ کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ مگر بیٹھ کا جانا پچا نا وہ نظرا تھے۔ وہاں کے بعد انہیں بہت اچھا لگ رہا تھا۔ دونوں نے ایک ساتھ ہنسا شروع کیا اور ہنستے گئے۔ یہ وہ بے فکر کی فہمی تھی جسے شہر باز کردہ بھول ہی گئے تھے۔ دونوں ہنستے ہنستے رے کے اور ایک دوسرے کو دیکھتے گئے۔ ”ہو جائے؟“ وزیر خان نے پوچھا۔

”غصہ سے ہو جائے۔“ سعید خان نے جواب دیا۔

”چھوڑو۔ تم بیٹھ مجھ سے بات چاہتے تھے۔“

”آج نہیں پاؤں گا۔ آؤ کر دیکھ لو۔“

”یہ بات ہے تو چلو تیار ہو جاؤ۔“

”میں تیار ہوں۔ ایک۔۔۔ دو۔۔۔ تین۔“

تین کے ساتھ ہی دونوں نے رستوں پر دوڑنا شروع کر دیا۔ یہ ان کا پراگمنا تھا اور زیادہ تر وزیر خان ہی جیتا کرتا تھا۔ لیکن اس دن وزیر خان کو بھی اندازہ ہو گیا کہ آج وہ سعید خان سے نہیں جیت سکا۔ سعید خان تو ویسے ہی ان کو گھر پہنچ جاتا چاہتا تھا۔ دراصل وہ گھر والوں کو وہ چیزیں دکھانے کو بے تاب ہو رہا تھا جو وہ شہر سے لے کر آیا تھا۔ ان میں کپڑے بھی تھے اور بہن ریشم کے

لے زور بھی تھے۔ اس کے قدم زمین پر تلک ہی نہیں رہے تھے۔ سعید خان نیچے پانچا تو وزیر خان سے خاصا آگے تھا۔ انہیں دیکھتے ہی گاؤں میں شور مچ گیا سعید خان وزیر خان آگے۔
 ○●○

جی رہا میں جاگتی آنکھوں اسے کالج کا خواب دیکھ رہا تھا۔ ہر ہفتے وہ ویک اینڈ کے لئے دن گمن گمن کر گزرتا۔ وہ علاقہ اسے بہت پسند تھا۔ کالج اس نے بڑی طبیعت سے چھو لیا تھا۔ دونوں وہاں گزار کر وہ مازہ دم ہو جاتا تھا۔ سارے اعلیٰ تعلیمی اور محکمہ داخل جاتی تھی۔

وہ کالج اس نے اسٹیل کو خوش کرنے کی خاطر چھو لیا تھا۔ لیکن اسٹیل اب بھی خوش نہیں تھی۔ ہاں کالج اس کے لئے خوشی بن گیا تھا۔

اسٹیل کا خیال آتے ہی اس پر اسٹیل طاری ہونے لگا۔ اسٹیل کو وہ اب تک نہیں سمجھتا تھا۔ ان کی شادی کو پانچ سال ہو چکے تھے۔ پانچ سال پہلے وہ بھینس گزارنے اٹھیں۔ دنیا تھا تو متواتر تھا۔ اس وقت اس کا شادی کا خیال بھی نہیں تھا۔ اس کی عمر اڑیس سال تھی۔ وہ زندگی کا خوب انجوائے کر رہا تھا۔ ہندوستان اسے بہت اچھا لگا تھا۔ وہ بار بار سفر اور بھارتیہ شخص تھا۔ نرم مزاج آدمی تھا۔ غور اور تکبر اس میں نہیں تھا۔ ہندوستانیوں سے اس کی خوب بچی تھی۔ وہ ان کی نقیبات بھی سمجھ گیا تھا۔ وہ عزت کے بھوکے لوگ تھے۔ عزت سے بات کر دیا انہیں غلام بنانا۔ مگر ان تعلیمات کی ابتدا ہی میں اس کے دست بلی آگئے۔ پیش گوئی کر دی تھی کہ تعلیمات ختم ہونے تک وہ گزارا نہیں رہ سکے گا۔

قلم اور سیاست سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کے لئے

بہمنی ہم دعا کا کیس کے لازم اور انڈین پریشر اسٹار

نچے دت کی سرگزشت

کھل ٹائیک

مشہور قلم اسٹار زمیں اور سبیل دت کی شادی سے شروع ہونے والی ہنگامہ خیز داستان جس کا انجام جاننے کے لئے سب سے بے چین ہیں۔ بہمنی ہم کیس کے بارے میں اہم انکشافات اور دیگر تفصیلات۔

ماہانہ سرگزشت جولائی ۹۵ء کا شمار شائع ہو گیا ہے

”میں بھی۔ میرا خوشامیاد کامیابی اور اس نے کہا تھا۔“

”میرا بعد شادی کے ارادے کے بغیر شادی شدہ ہوا ہے۔“
”تو کتنے چستے ہوئے کہا“ ہم میں چاہے یہاں تم بات ایک کی حیثیت رکھتے ہو۔ دیکھ لیا۔ یہ اعانت بھانت کی لڑکیاں نہیں گھبراہٹوں کر رہیں گی۔“

”وہی ہے۔“

”وہی ہے کہ تم دونوں میں سے دائرہ ہے۔“

”دائیرہ اسے تم کسی خطا میں مبتلا ہو۔“

”تو چہ کہنے کے یہاں۔“ اس شخص کو دائرہ سمجھا جاتا ہے کہ ہندوستان میں کالج برطانیہ کی غلامی کی کر رہا ہو۔“

”بڑی۔“
”نہیں جلد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ تو مزہ دے رہا تھا۔ ہر بات میں لڑکیاں اس پر ہواؤں کی طرح منتلا ہیں۔ اسے گھبرنے کی کوشش کرتیں۔ مگر وہ اپنی لڑکیوں سے دور بھاگا۔ اس نے تیرہ کر لیا تھا کہ شادی کے حال میں نہیں بیٹھے گا۔“

اس کی راہ میں تھوڑے ہی دن وہ مجھے تھے کہ وہ شکار ہو گیا۔ لاہور گھر میں گھر ہونے والی باتوں میں اسٹیل سے اس کی ملاقات ہو گئی۔ اسٹیل بہت حسین تھی۔ مگر یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ وہ زندگی میں ایک سے بڑھ کر ایک حسین لڑکی سے مل چکا تھا۔ کس اس بات کی تھی کہ وہ بہت مختلف تھی۔

یہی کو یہ یاد نہیں کہ انہیں متعارف کس نے کر لیا تھا۔ اسے اس کا یاد تھا کہ اسٹیل نے بڑی بے نیازی سے کہا تھا ”اوہ۔۔۔ تو آپ ہندوستان میں ہوتے ہیں“ اور اس کے بعد اس نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی بلکہ وہ اسے نظر انداز کرتی رہی تھی۔ بس اس کی یہ آواز ہی کو شکار کر گئی۔ وہ اس بات کا عادی ہو گیا تھا کہ ہندوستان کے حوالے سے تعارف ہوتے ہی لڑکیاں ریشہ منطقی ہو جاتی ہیں۔ گو مشن کرتی ہیں کہ بات آگے بڑھے۔

یہاں معاملہ الٹا ہو گیا تھا۔ اسٹیل کی بے نیازی اس کے لئے چلتی تھی۔ دوسری لڑکیاں اسے شکار سمجھتی تھیں اور شکار کرنا ہوا ہی تھیں۔ جبکہ وہ شکاری تھا۔ شکاری کو شکار سمجھا جائے تو اسے تھوڑا سا احساس ہونے لگتا ہے مگر اب مختلف معاملہ سامنے آیا تو وہ شکاری بن گیا۔ اس نے اس سٹیل میں کتنی ہی لوگوں سے بات کی۔ ہر اس باتوں میں کیا جہاں اسٹیل مدعو ہو۔ بہت بہت اس نے اسٹیل کو رام کرنا شروع کیا۔ بے تکلفی پر مبنی تو اس نے پروچہ بھی کر دیا۔

”لیکن جیسے تو ہندوستان واپس جاتا ہے“ اسٹیل نے بھروسہ اچکاتے ہوئے کہا۔

”تو کیا ہوا۔ تم میرے ساتھ ہو گئی۔“

”تو میں ایک ایسی ملک کیوں جاؤں۔ کیا حاصل ہو گا مجھے؟“

”میری بہت“ ”میرا چاہوں نے کہا“ ”میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ اسٹیل میں جس پر خوشی ہوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔“

”تو لڑکیاں ہیں۔ لیکن ایک ایسی ملک۔“
”ہندوستان تو بہت بڑا ملک ہے۔ وہاں پچھلی دھوپ ہوتی ہے۔ ہر وقت بارش اور دھند کا جذبہ جیس ہو گا۔ وہاں دنیا کی ہر نعمت ہے۔“

”پھر بھی مجھے ڈر لگتا ہے“ اسٹیل نیم رضاء معلوم ہو رہی تھی۔

”آخر کار میری نے اپنی دولت میں اسے شکار کر لی لیا۔ یہ احساس تو اسے اب ہر ماہ تھا کہ درحقیقت اسٹیل نے ہی اسے شکار کیا تھا۔ اسٹیل ہالاک شکاری تھی۔ اس نے شکار کی نفسیات کو سمجھا تھا۔ اس نے شاید اسٹیل کیا تھا کہ وہ ملتفت ہونے والی لڑکیوں سے بچ جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے بے نیازی ظاہر کی تھی۔ وہ شکاری تھی لیکن اس نے شکار کے سامنے خود کو شکار کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔

یہی اسے اپنے ساتھ ہندوستان لے آیا۔ ان دنوں وہ دہلی میں قیامت تھا۔ ابتدا میں بہت اچھی گزری۔ دونوں ایک دوسرے میں کھوئے رہے۔ ویسے ہی کو یہ احساس شروع میں ہی ہو گیا تھا کہ اسٹیل کے حراج میں کمون بہت ہے۔ وہ پچیس سال کی تھی لیکن اس میں پچہا بہت تھا۔ بل میں توکل پل میں ماشہ اور پل میں رتی۔ اس میں شہید کی نام کو نہیں تھی۔ اس کے برعکس میری رہ چلا اس ایک عجیبہ آدمی تھا۔ اپنے فرائض وہ بہت ذمے داری اور مستعدی سے ادا کرتا تھا۔ اسی لئے اسے اہمیت دی جاتی تھی۔

تھوڑا بعد ان کی پہلی لڑائی ہوئی۔ اس صبح اسٹیل انھی ”اس نے کمر کی سے باہر دیکھا اور بولی“ ”آج تم دفتر نہیں جاؤ گے۔“

”کیوں بھی؟“

”موسم اتنا باریک ہے اس لئے۔“

”یہ ناممکن ہے۔ آج مجھے ایک بہت اہم کام نمٹانا ہے۔“
”بس پھر کیا تھا۔ اسٹیل نے دوتا اور لڑنا شروع کر دیا۔ میری دفتر گیا تو اس نے ناشتا بھی نہیں کیا تھا۔

پھر یہ جھگڑے آتے دن ہونے لگے۔ معمولی معمولی باتوں پر جھگڑا ہوتا اور کبھی بڑی بات پر بھی کچھ نہ ہوتا۔ کبھی اسٹیل اس کی راہی کا انتظار کے بغیر کلب چلی جاتی اور کبھی گھر پر دوتی ہوتی ملتی کہ وہ اتنی دیر میں واپس کیوں آیا ہے۔ ایک دن وہ جو کچھ نہ کرنے پر لڑتی دو تین دن بعد وہ کرنے پر جھگڑنا شروع کر دیتی۔

یہی کے لئے مسئلہ یہ تھا کہ وہ اسے محبت بہت کرتا تھا۔ اسی طرح ایک سال گزر گیا۔ ایک دن اسٹیل اس بات پر لڑی کہ اب ان کے درمیان جہانی رہا میں گرم جوشی نہیں رہی ہے۔ یہی محسوس کرتا تھا کہ یہ بات درست ہے لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ عمر بھر اپنی سون نہیں رہتا۔ آدمی پر کام کی ذمے داری بھی ہوتی ہے۔

اور پھر اکر دیسے بھی سرد مزاج ہوتے ہیں۔ ان میں گرم جوئی کا
 فقدان ہوتا ہے۔
 ایک صبح اسٹیلانے اٹھتے ہی سامان بیک کرنا شروع کر دیا۔
 کیا ہو رہا ہے؟ "تجلی نے پوچھا۔
 "بہن میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ وطن واپس جاری ہوں۔"
 "بہن کے لئے اس کو سنبھالنا مشکل ہوا۔ آخر اس نے وعدہ کیا
 کہ وہ اپنا تاجدار کرائے گا۔

کد وہ اپنا تاجدار کرائے گا۔
 اس کے بعد وہ لاہور چلے آئے۔ کچھ عرصہ خیریت سے گزارا۔
 اس بار اسٹیلانے کچھ موشل بھی ہو گئی تھی۔ کچھ عرصہ سے تعلقات
 ہو گئے تھے۔ کبھی وہ لوگ ان کے ہاں جاتے کبھی انہیں اپنے ہاں
 مدعو کرتے مگر جلد ہی پھر جھگڑے شروع ہو گئے۔
 "یہاں زندگی بہت ہے" اسٹیلانے شکایت کی۔
 "ارے واہ! اتنا خوب صورت شہر۔۔۔"

"تمہیں لگتا ہو گا خوب صورت۔ یہی تو مسئلہ ہے تم میں ذوق
 حسن ہے نہ جمالیاتی حس۔"
 "میں نے تم سے شادی کی ہے۔ اس لئے کہہ رہی ہو یہ بات۔"
 اس بار بھی کو بھی طرہ آگیا۔

خوب لڑائی ہوئی۔ مگر خیرات ٹل گئی۔
 موسم گرما میں ایک اور مسئلہ کھڑا ہو گیا "تم نے مجھ سے
 جھوٹ بول کر شادی کی" اسٹیلانے چیخ کر کہا۔
 یہی کو حیرت ہوئی۔ لڑائی کا یہ زاویہ نیا تھا کیا جھوٹ بولا میں
 نے تم سے؟ "اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔
 "تم نے کہا تھا ہندوستان میں چنگیلی دھوپ نکلتی ہے۔"

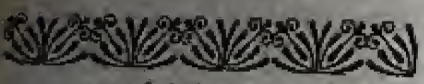
"تو یہ تو ج ہے۔ باہر تھانک کر دیکھو۔"
 "اسے چنگیلی دھوپ کہتے ہیں۔ چنگیلی دھوپ تو خوب صورت
 ہوتی ہے۔ یہ تو ایسی دھوپ ہے کہ جسم کا گوشت بھی پھلتا محسوس
 ہوتا ہے۔ یہاں میری آنکھیں مستقل طور پر دیکھتی ہیں۔ رنگ بھی
 جھلسا جا رہا ہے۔ بھوک تک مرنے لگی ہے۔"
 "بڑی ناشگونی ہو۔ وہاں ابھی نہیں جہاں سال میں آٹھ مہینے
 دھند کی وجہ سے دن میں بھی اندھیرا رہتا تھا۔ سارا سال بارش ہوتی
 تھی۔ کبھی دھوپ نکلتی تو جسم پر لوشن لگا کر لیت جاتی تھیں کہ جسم
 جلنے جائے۔ تم کسی حال میں خوش نہیں رہ سکتیں۔"
 "میں وہاں وطن میں خوش بھی" اسٹیلانے پاؤں پیٹتے ہوئے
 کہا۔

"تو ٹھیک ہے۔ تم واپس چلی جاؤ۔"
 اسٹیلانے ٹھنک ہو کر رہ گئی۔ اس کو رہے جواب کی اسے توقع
 نہیں تھی "جہیں پھوڑ کر؟" زرا دیر بعد اس نے سنبھل کر کہا۔
 "اور کیا ہو سکتا ہے تم بھی رو من کی تھو لک ہو اور میں بھی۔
 طلاق تو ہو نہیں سکتی۔"
 یہ سن کر تو اسٹیلانے سنی کم ہو گئی "میں تم سے محبت کرتی ہوں



ابھو صاحب شہر کے ایک لیٹن اینٹل ڈیزائنر
 سلون میں بیچنے کریں پوچھ کر انہوں نے جلد
 خرید لی سے بارے کا "زرا دیر کو کم مال کاٹنے سے
 چلے میری چند بات تو جوتے میں رہ۔ سر کے دائیں
 حصے میں تمہیں بے درج اور دائرہ واحد یعنی چالی
 ہے۔ اس حصے کو تقریباً چھبائی گونا پنا سر کے
 بائیں طرف تمہیں قیچی کا استعمال برائے ہم کرنا
 ہے۔ وہاں کے بال لہجے ہی رہنے دیا کر صحت
 کان تک آئیں۔ سر کے وسط میں ایک پٹے نیچے
 کے برابر بال صاف کرنا۔ چوٹائی سے ذرا اوپر بال
 کی ایک لٹ چھوڑ دینا تاکہ وہ ناک سے اتلی ہوئی
 میری ٹھوکی کو چھو سکے۔"

"لیکن جناب" زرا نے پریشان ہو کر کہا میں
 اس طرح تو آپ کے بال نہیں کاٹ سکتا۔"
 "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کہیں نہیں
 کاٹ سکتے" اس پر صاحب نے پکار کر کہا "رواں پٹے تو
 تم نے میرے بال اسی طرح کاٹے تھے۔"



بہن۔ لیکن یہ گرمی میں برداشت نہیں کر سکتی۔"
 یہی کا دل اس کے لئے دیکھ کر "اچھا کچھ دن برداشت کرلو۔
 میں اپنا تاجدار کسی ٹیبلٹ سے علاقے میں کرائے کی کوشش کر رہا
 ایک ایسا جگہ ہے میری نظر میں۔ میں بھی بہت ہے۔ موسم بھی
 بہت اچھا ہے وہاں گزارو۔ ہوا تو پھر تمہیں اگلی دن جاننا پڑے
 گا۔"

پول وہ ابھی تھا آجکے یہاں اسٹیلانے کمرہ میں بہت خوش
 رہی۔ مگر پھر اسے سردی سے شکایت ہوئی۔ سہ ماہی لاف کی روایتی
 سے شکوہ ہوا۔ مگر بات بھی بہت آگے نہیں بڑھی۔ اسٹیلانہ بھی
 جانتی تھی کہ اس کی کوئی شکایت بھی جائز نہیں ہے اور پھر یہی
 اسے لاہور میں ہی وارننگ دے چکا تھا۔
 ایک دن اسٹیلانہ بوئی گھونسنے کے لئے باہر نکل گئی۔ لڑائی
 علاقے اسے بہت اچھے لگے۔ اس رات اس نے ہی سے کہا "یہ
 جگہ تو بہت خوب صورت ہے۔"
 "شکر ہے" جہیں کچھ اچھا تو تھا۔"

"تم کسی خوب صورت علاقے میں زمین لے کر انکے ٹھکانے

کونج نہیں بنا سکتے؟
 میرا لے لو حرا کمرات کی۔ ایک مقامی لے گا صاحب زمین
 تو ہے ملاقات بھی سر میر ہے۔ پر زمین بہت سستی ہے۔ آدمی ضرورت
 مند ہے اس لئے کونج ہے۔
 "کونج نہیں ہے اور قیمت کتنی ہے؟" میری نے پوچھا۔
 "بیس کھائی تو ہوگی۔ لیڈر سو روپے کی لے گی۔"
 "یہ کہاں ایسی میری کچھ نہیں آتا۔"
 مقامی صاحب کا نام پھر بولا "تمہیں ایکڑ سے زیادہ ہی ہے
 صاحب۔"
 "مجھے دکھاؤ۔"

یو پھر مسئلہ کیا ہے؟ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا۔ اسے دو افکار
 جانتی تھی کہ وہ زندگی سے خوش اور مطمئن نہیں۔ زندگی بھینسا اور
 بے رنگ ہے۔ اس میں کوئی قہرل کوئی سستی نہیں۔ یہی اس کے
 لئے وہ ایک جڑی ہے، مجبور نہیں۔ اور یہی بہت مصروف کوئی
 ہے۔ اس کی عمر بھی زیادہ ہے۔ وہ خوش انگشت اور دلوں سے
 محروم ہو چکا ہے۔ اس کی قوت میں اس فرض شامی دہلی ہے۔ وہ
 سو لکھ سرد سڑا ہے۔ ہاں وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ اس کے
 لئے کچھ کر سکتا ہے۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ اس کی تسلی تو

[illegible]

موسم گرم ہوا اور سردیوں کا موسم گزرتا تھا۔ وہاں کی درختیں پھٹی ہوئی تھیں۔ آج کل کے زمانے کو بکڑنے لگی۔ اور پھل پھلنے کے وقت پانچ نوٹ لپٹا دے اور خوشی سے آواز نکالتی اور گنگے پھل جانتی۔ جیسے ہی اس کے خشک وہاں پر چلے گا جیتنا کے مشق سے کہ لپٹی۔ اس آواز کے ساتھ پھل پھلنے لگیں۔ اس کی دکانیں بھی بولی تھیں۔ اگر وہ اپنے فرگوٹ آ رہے تھے میں اور دھڑ سے اور پھر پھل۔ سامان کو کھاتی پھرے پر پانچ نوٹ لپٹا دے اور خوشی سے باہر آیا اور سر ہنر زمین کو کھنکھاتی اس کے ساتھ ہوا۔

ہے ابتدائی کھونٹے حلق سے اتارنے کے بعد اس کی سب
خوشی اسی میں ہوتی کہ وہ کھڑکے دھان کے پودے پر بار کر کے
کھڑکے سے اس نل سے لے کر پڑا پڑا ٹیوٹس کے محفوظ
حصے میں آتا۔ پھر وہ خود بھی اچھی اسی سوچ پر جان ہوتی۔
پڑا پڑا ٹیوٹس کو کبھی طرح کا خطبہ نہیں تھا۔ بلکہ وہاں تو
پڑا پڑا ٹیوٹس تھے۔ مگر اسے یہ دہم ہوتا تھا کہ ماغریب رہا

سات بجے تک وہاں رات بوندوں کے بیسرے سے مشروط تھی۔ جب تک دراصل وہاں رات بوندوں کے بیسرے سے مشروط تھی۔ ان کی وجہ سے بوندے والے دنگ کی تلاش میں اڑتے چماتے۔ ان کی وجہ سے دنگ رہتی۔ اور جب وہ بیسرے کے لئے واپس ہوتے تو دنگیں ہی ساتھ لے جاتے۔ اس کے بعد ہر لمحے اس کی تنگی میں اضافہ ہوتا رہتا۔ اس کے ہونٹ بھیج جاتے۔ وہ ہر وقت لڑنے کے لئے آمادہ رہتی۔ "میں تمہیں بتا رہی ہوں مسٹر چیری وچرڈن کہ میں آخری بار اس بے زار کمن ٹیوش مقام پر آئی ہوں" وہ دواڑنی "یہ کالج نہیں مقبوض ہے!" وہ چلائی "میں پہلے بھی سنی بار کہ چکی ہوں آئندہ نہیں کھوں گی۔ مجھے یہ جگہ اچھی نہیں لگتی۔ کمن میں رکھی ہوئی باتیاں تخت ٹائینڈ ہیں مجھے تم اپنی یہ سادہ اور خوب صورت زندگی اپنے پاس رکھو۔ میرا قریب دم گھٹتا ہے۔ مجھے یہ چھانی گھر ملے رہا ہے۔ سوچئے؟"

”اور فوراً گاؤں سے پہنچے وہ بیٹھے۔ لیکن ابھی تو بیٹھے تھے کہ“

ایسے موقعوں پر اسے خود بھی احساس ہوتا کہ وہ بد صورت لگ رہی ہے۔ اس کی عمر بھی زیادہ لگ رہی ہوگی۔ مگر وہ سوچتی۔ مجھے خوب صورتی کا کیا کرنا۔ ہر شے وہ اپنے بالوں مختلف رنگت دیتی۔ حالانکہ اس کے اپنے بالوں کی شدت جیسی بہت خوب صورت تھی لیکن جب آدمی کو قرار دے تو کچھ بچہ سمجھ لگتا۔

کھڑکی کے بند پردوں سے کوئی ایک میل اور ایک
 قدم۔ موسم سرما میں وہ زیادہ تر خشک رہتی۔ اس کے سینے پر
 مونے کلاب سے بنے رہتے لیکن بہار آتے ہی وہ پُر شور و
 ہنسنے لگتی۔ اس کا پاؤں بھی بڑھ جاتا۔ کنارے بھر جاتے دن
 مردوں کا میل لگا رہتا۔

ایک دن تیری نے اسٹیل کو پچھن چلیں کہ باس غریب اپنا اس کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ پہلے باس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر مگرا تھا۔ پھر وہ منہ کے گل ٹوٹے ہوئے باس پر گری تھی۔ خون بہہ رہا تھا گھڑات ہوش نہیں تھا میں تم سے بہت محبت کرتا تھا۔ لیکن کس لئے یہ مجھے معلوم نہیں اس نے جھنجھلا کر کہا تھا۔

اور اسٹیل کو جواب دینے کا ہوش تھا "وہ محبت میں آخریات تھی۔ خیرات!"

ایک دواؤں دہ دوسرے کے قریب سو کر اٹھی تو ایک حیرت انگیز
نظارہ اس کے سامنے تھا۔ وہ مارچ کا مہینہ تھا۔ بلکہ مارچ بھی
آدمی سے زیادہ گزر چکا تھا۔ لیکن برف پڑی ہوئی تھی۔ غیر متوقع
باتیں اور چیزیں سبھی گھٹی ہیں اس کا اندازہ اسے اس
ہوا۔

پھر اسے پہلے اور پھاؤڑے کی آواز میں سنائی دیں۔
نیچے جھانکا۔ باؤں کے راسے پر چربی پھاؤڑا تھامے میں لئے
فشالی سے برف ایک طرف ہٹا رہا تھا۔ اس کا چھوٹا سر ہار
اکیلا بیٹھ تھا۔ انیس بیس سال کی عمر کا ایک تہ سیاہ بالوں والا
اس کا ہاتھ بنا رہا تھا۔

چھوٹے
دراڑ میں
بھردہاں
اسٹیم لکوموٹو کا احساس ہوا۔ اس نے کافی کا پانی را
پرفرکٹ بنا اور پچھلے آئی۔ اس کے کافی کا پانی را
تھیں کیچڑ چھن کے دروازے میں نمودار ہوا۔ اس کے
ہے۔ میں لاہور میں اس سے ملا تھا۔ ہر فن مولانا کا

اب وہ غصہ ہو رہا تھا اور کھانے کی رفتار بھی بڑھ چکی تھی۔
 "میں کچھ اور اٹھنے کی دہائی ہوں" اسٹیلانے کہا "میں ایک
 منٹ کے گام۔"
 "میں میم صاب شکر یہ" لڑکے نے جلدی سے کہا "میں دوسرے

چکا۔۔۔"
 "ادرم آن" چھٹی نے اس کی بات کاٹ دی "تمہیں ضرورت
 ہے کھانے کی۔ کیراج تک کا راستہ صاف کرنا ہے ہمیں۔ بدلتے
 سخت کام ہے۔"
 "میں جی۔ اتنا سخت بھی نہیں۔"

اسٹیلانے سناٹنی نظروں سے اسے دیکھا۔ کام تو بلاشبہ سخت
 تھا لیکن وہ اتنا جاندار تھا کہ اسے کوئی کام بھی سخت نہیں لگتا ہو گا۔
 وہ اٹھی اور اسٹوڈ کی طرف چل دی۔ اس نے اسٹوڈ جلیا "انڈسے
 تے اور پھرتی سے پاٹ میں کافی انڈیل۔ چھٹی اسے بہت غور سے
 دیکھ رہا تھا۔ اس کا ہر انداز آج غیر معمولی تھا ورنہ وہ تو اس وقت
 شراب کے نشے میں ہوتی تھی۔ کسی کا خیال کرنا اور اتنی پھرتی سے
 کام کرنا اس کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ وہ اتنا حیران تھا کہ اس
 نے فکریہ دست کرنے شروع کر دیے "کیا بات ہے۔ آج تو بڑی
 پست ہو رہی ہو۔ باری بھی لگ رہی ہو۔"

"اچھا۔ مجھے تو احساس ہی نہیں ہوا۔ کیا واقعی؟"
 "آج تو تم ابائیل کی طرح خوش مزاج اور خوش گھر بھی ہو رہی
 ہو۔"

"یقین نہیں آتا" اسٹیلانے کہا "شاید یہ برف کا کمال ہے۔"
 ابائیل کے تذکرے پر لڑکے کے ہاتھ رک گئے "ابائیل تو
 آپس ہیں۔ کل ہی میں نے ابائیل دیکھی تھی" اس نے شریلے لہجے
 میں کہا۔

"میں تو سمجھتی تھی کہ وہ صرف موسم گرما میں آتی ہیں۔"
 "میں میم صاب۔ بس یہ آخری برف باری ہوئی ہے اور یہ
 بھی بے وقت ہے" لڑکے نے کہا "ابائیل سرور رخصت ہوتے
 ہی آجاتی ہیں۔ ابائیل واپس آجائیں تو سمجھ لیں کہ ہمارے آنے والی
 ہے۔"

"کیسی ہوتی ہے ابائیل؟ میں نے کبھی نہیں دیکھی" اسٹیلانے
 بولی۔

لڑکے نے حیرت اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔ حیرت اور بے
 یقینی ایسی تھی کہ وہ چند لمبے جواب بھی نہ دے سکا۔ پھر وہ اسے
 ابائیل کے متعلق بتانے لگا "میں آج ہی آپ کو دکھاؤں گا ابائیل"
 اس نے کہا "دھوپ بہت تیز ہے۔ ابائیل سرور ٹھیک گی۔"
 "اتنی سرور میں مختصر کے مر نہیں جائیں گی؟" اسٹیلانے
 پوچھا۔

"سرور اتنی تو نہیں ہے۔ برف پڑتی ہے لیکن دھوپ بھی تو
 بہت تیز ہے۔" لڑکے نے کہا "لیکن آپ کی بات ٹھیک ہے۔"

"میں کس قسم کا تعاقب ہے۔"
 "بہت تیز۔ سرور ہی ریچڑاں اسٹیلانے سے ملنے گیا
 اور گاڑی سے اتر کر پلٹ گیا۔" لڑکے نے زور سے
 برف باری ہوئی ہے۔"
 "میں دیکھ رہی ہوں۔"

"یہ بھی حیرت انگیز بات ہے۔ اسے واپس۔۔۔ کافی کی خوشبو کتنی
 باریک لگ رہی ہے۔ سوئے لڑکا صبح آٹھ بجے سے برف پڑنے میں
 لگا رہا ہے۔ برف چلا رہا ہے اور لڑکا۔"

"میں حساسی بات سمجھ رہی ہوں لیکن میرا خیال ہے۔ پہلے
 اسے دیکھنا چاہیے تم پوچھ لو اس سے۔ میں اندازے فرما کر دوں
 گی۔"

چھٹی نے اسے قہر سے دیکھا۔ وہ سو کر اٹھی تھی۔ اس نے
 ایک لمبے لمبے نہیں کیا تھا اور بہت ابد لگ رہی تھی۔ اس کے
 چہرے پر برف سے خشک ہونے والا دھوپ تھی۔ پہلے پن کے
 باوجود اس کے چہرے پر زندگی کی روشنی تھی۔ اس کے انداز میں بھی
 وہ افسانہ لکھتی تھی اور سو گوارا نہیں تھی جو ہر صبح نظر آتی تھی۔
 ایسا لگتا تھا کہ برف نے اسے اس کی بے خبری میں سمو کر لیا ہے۔
 وہ بہت پرسکون لگ رہی تھی پھر یہ اندازے ملنے کی پیشکش۔۔۔
 جلا کر یہ ناشتے کا وقت نہیں تھا۔ چھٹی دوبارہ باغیچے میں چلا گیا۔
 تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا "ہاں اسٹیلانے لڑکا ناشتا کرے گا۔ میں
 بھی کر دوں گا۔ یہ بہت سخت کام ہے۔ ہم دونوں ہی بھوکے ہو گئے
 ہیں۔"

چند منٹ بعد وہ تینوں کچن لیمبل پر بیٹھے تھے۔ دونوں مرد
 ہاتھ پر ٹوٹ رہے تھے جبکہ اسٹیلانے پر کھانا لگانے کا کافی کی پالی
 سامنے رکھے بیٹھی تھی۔ لڑکا بوسے جنگلی پن سے کھا رہا تھا۔ لیکن
 حیرت انگیز طور پر برا نہیں لگ رہا تھا۔ ایک اور حیرت انگیز بات
 لڑکے کی خود اعتمادی تھی۔ عام طور پر ہندوستانی لوگ شدید احساس
 کمزوری میں جھٹکتے۔ اول تو وہ کسی انگریز کے ساتھ کھانے کی میز پر
 ہی نہ بیٹھتے۔ بیٹھے تو تمام وقت چھری کانٹے میں الجھے رہتے۔ ٹھیک
 طرح سے کھا بھی نہ پاتے تھے۔ لڑکا۔ بے طریقے سے کھا رہا تھا اور
 انداز سے لگتا تھا کہ اسے ان دونوں کی موجودگی کا احساس تک
 نہیں ہے اور اگر احساس ہے تو پروا نہیں ہے۔

لڑکے کی بھوری آنکھوں میں ابلیسی غلامت تھی۔ وہ بے حد
 چمک دار آنکھیں تھیں اور آ رہا تو کتنی محسوس ہوتی تھیں۔ لیکن
 وہ انہیں اٹھا کر ہی تھا۔ اس کی پیشانی غیر معمولی کشادہ تھی۔ اس
 کی بیوی بہت گھنی اور خفیدہ تھیں "ابلی کہ اس کی آنکھیں
 کھولنے میں رکے ہوئے انڈوں جیسی لگتی تھیں۔"
 اسٹیلانے کو احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ اسے مسلسل دیکھ رہی
 ہے۔ لڑکے کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ دلی توجہ سے نظروں
 اٹھا کر ان آنکھوں سے اسے دیکھتا اور تیزی سے نظروں جھکا لیتا۔

ایک طرف کو سر دی راس نہیں۔ اسی لئے دوسری آنے سے پہلے ہی
 "مجھے کے علاوہ توں کی طرف اڑ جاتی ہیں۔"

"تو یہ دھرت بھی کرتی ہیں؟"
 "جی ہاں صاحب۔ یہاں یہ ایسے آتی ہیں جیسے صاحب لوگ بیڑوں
 مزارعے آتے ہیں۔ زیادہ تر یہ اپنے پرانے کھوسلوں میں آکر رہتی
 ہیں۔ یہاں میں انڈے دیتی ہیں۔ بچے لگتے ہیں۔ گری گزرتے
 گزرتے بچے بڑے ہو جاتے ہیں پھر یہ اڑ جاتی ہیں۔"

"تو کھوسلا کیا ہوتا ہے ان کا؟"
 "بہت خوب صورت۔ ہم صاحب جیسے ہم لوگ مکان بناتے
 ہیں مٹی سے گونے یہ بھی بناتی ہیں۔ گندھی ہوئی کاڑھی مٹی اور
 اس کے ساتھ بھوسا۔ پخت سے تھوڑا ایچے کچی چیز کے سارے
 سے بناتی ہیں۔ کھرا مہیا ہوتا ہے۔ صرف دو ایلیں رہ سکتی ہیں ان
 میں۔"

"مجھے دکھاؤ سبھی۔"
 "ضرور دکھاؤں گا۔"

تھکی بیٹھنے لگا "تم سعید خان کی شاکر دہی اختیار کرلو
 کی" اسے خوشی تھی کہ اسٹیلانڈ کی دیکھی لے رہی ہے۔ اس
 سے پہلے شاید اس نے پرندوں کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ یہ
 بہت اچھی علامت تھی۔ برف باری نے کمال کر دکھایا تھا۔

"یہاں زیادہ پرندے نظر نہیں آتے" اسٹیلانڈ دستور سعید
 خان کی طرف متوجہ تھی۔

"یہاں تو ہر طرح کے پرندے ہیں۔ مینا نہیں تو کھڑت سے ہیں۔
 بلیں بڈبڈ اور کیا تانڈیں۔ بیکڑوں ذات کے رنگ پرندے۔"
 اسٹیلانڈ کھٹکھٹا کر ہنس دلی "پرندوں کے چھپے تو بہت سے ہیں
 میں نے۔ لیکن دیکھ کر صرف کوئے ہیں۔"

"آپ کھڑتے نکلی ہی نہیں ہوں گی۔"
 "تمہارا اندازہ درست ہے سعید خان" یہی نے تانہ کی "میں
 صاحب کا اس دورے میں دل ہی نہیں لگتا۔ اسی لئے کالج میں بند
 رہتی ہیں ہر وقت" اس نے کالی کی پیالی خالی کر کے رکھی اور اٹھ
 کھڑا ہوا "اب ہم چلتے ہیں ستر چڑھن" اس نے ٹھٹھکی سے کہا۔

"پرندوں کے بارے میں کوئی اور سوال؟"
 "نہ کا ابھی ناشتا کر رہا ہے۔ اتنی جلدی کیا ہے" اسٹیلانڈ نے
 کہا۔

"میں جلد ازلہ گیراج کا راستہ صاف کر دیتا ہوں" یہی
 نے کہا۔ پھر وہ لڑکے کی طرف مڑا "میں گیراج کی طرف سے مغربی
 شروع کرتا ہوں۔ تم اطمینان سے ناشتا کر کے آؤ۔"

یہی کے جانے کے بعد اسٹیلانڈ دس منٹ تک لڑکے کے ساتھ
 ابھی رہی۔ گڑبڑ کی طرف اس کی چٹختی تھی۔ جبکہ لڑکا اس کے
 ماتھے بیٹھا تھا۔ وہ حیرت زدگی اس کی آنکھوں کو دیکھتی رہی۔ وہ
 آنکھیں اس پر اثر انداز ہو رہی تھیں۔ اس کی خود اعتمادی جیسے

سب بوری تھی۔ اس نے سگریٹ سلائی تو اس کے ہاتھ لڑ رہے
 تھے لیکن یہ غیر معمولی بات نہیں تھی۔ سو کراٹھے کے بعد اس کا یہی
 حال ہوتا تھا۔ باتوں کی لڑائی کے نتیجے میں مایوس اس کے ہاتھ
 سے گر گئی۔ لڑکے نے جبکہ کراچی اٹھائی۔ سگریٹ اسٹیلانڈ کے
 ہونٹوں میں دبی ہوئی تھی اور سبک فیس نکلی تھی۔ لڑکے نے دا
 سلائی جلا کر ادب سے اس کی طرف بڑھائی۔

"شکریہ سعید خان۔ بڑی مہربانی" اس نے کہا۔
 سعید خان کچھ کے بغیر پھر لیٹ پر جھک گیا۔
 "تم کہاں رہتے ہو؟"
 "قریب ہی گاؤں ہے میرا۔"
 "تم مسلم ہو؟"
 "جی ہاں۔ ہم صاحب۔"

"یہاں ہندو تو بہت رہتے ہیں؟"
 "جی ہاں ہم صاحب" سعید خان نے پلیٹ صاف کی اور اٹھ
 کھڑا ہوا "کوئی اپاہلی نظر آئی تو میں آپ کو ضرور بتاؤں گا۔"

"میں باہر آتا ہوں تو یوتھ پینٹا ضروری ہو گا؟" اسٹیلانڈ نے
 پوچھا۔
 "جی نہیں۔ راستہ صاف ہے۔ ویسے بھی دھوپ میں برف
 سخت ہو رہی ہے۔"

اپنا ک اسٹیلانڈ کے اندر شدت سے خواہش ابھری کہ وہ اوپر
 جائے اور کھڑے بدلے عام طور پر ایسا نہیں ہوتا تھا۔ وہ ٹائٹ
 گاؤں میں ہی رہتی تھی۔ اور ایسا لگتا تھا جیسے کوئی دھواں دھواں
 خواب ہے جس میں وہ چل پھر رہی ہے۔

اس روز اس نے اپنے لئے سبز ٹوڈ کا ڈریس نکالا۔ سلیو سے
 بال برش کئے۔ ہلکا سا میک اپ کیا۔ یہاں تک کہ آخری لمحے میں
 اس نے موتیوں کے چھوٹے ایئر رنگ کالوں میں ڈال لئے۔ موتیوں
 کی ایک بالابھی لگے میں ڈال لی۔ اس چکر میں اسے برشوں کا خیال
 ہی نہیں رہا۔ سنے ہوئے برتن دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ اس کی یہ
 حرکت احمقانہ ہے۔ اس احساس کے ساتھ ہی اس کے اندر پینے کی
 خواہش شدت سے ابھری۔ جاگے ہوئے سختی دیر ہو چکی تھی اور
 اس نے گھبراہٹ میں نہیں کیا تھا۔

وہ اپنے لئے جام بنادہی تھی کہ باہر سے لڑکے نے اسے پکارا۔
 "ہم صاحب۔"

اس نے جام چھوڑا اور باہر چلی گئی۔ باہر اس کی تیز دھوپ
 تھی۔ برف پگھل رہی تھی اور ہر طرف ٹاپ گئی تھی۔ آسمان
 صاف تھا۔ برف کے پس منظر میں لڑکا زیادہ دراز تھا۔ زیادہ جیم لگ
 رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی نگاہ میں بھی زیادہ نمایاں ہو گئی تھی۔

"وہ دیکھیں۔۔۔ اوپر" لڑکے نے ہاتھ سے اشارہ کیا "یہ ہے
 اپاہلی۔"

اسٹیلانڈ نے سر اٹھا کر دیکھا "جی بھئی؟"

"جی ہاں۔"
 اسٹیلانڈ دیکھتی رہی۔ پھر اس نے اپاہلی کو بولنے سنا۔ اسے لگا
 کہ اس کے سینے میں بہت سی اپاہلیں اڑ رہی ہیں۔ گانا گارہی ہیں۔
 وہ لڑکے کے لئے بے ساختہ "سادہ اور غیر معمولی مسرت کا تھا۔"

اس کے جسم میں سستی سی دوڑ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ غصا میں
 بندھے کئے اور خوشی سے چٹائی "میں نے دنیا میں اس سے زیادہ خوب
 صورت کوئی چیز نہیں دیکھی اور میں نے اس سے خوب صورت
 آواز بھی نہیں سنی۔ بھئی نکل۔"

برف اور اپاہلی کی یکجائی کا وہ خطر اسٹیلانڈ کے ذہن پر بعض
 ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ پہلا موقع تھا کہ کالج سے اسے جی خوشی ملی تھی۔
 گرد و پیش کی دیرانی اب اسے مقدس لگ رہی تھی۔ سادگی میں لگتی
 ہوئی وہ اچھوتی خوب صورتی اچانک ہی اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

سادہ زندگی۔۔۔ دام! "یہ لڑکا سارے کام کر سکتا ہے۔ کھانا پکا لیتا ہے۔ رنگ و
 روغن کرالو۔ مالی کام بھی کر دے گا۔ اچھا خاصا الیکٹریشن بھی
 ہے۔ کھانا بھی سرور کر سکتا ہے" یہی نے اسے بتایا۔

"تو ہمیں کون سی ذرا پڑائیاں دینی ہیں۔ ہم تو یہاں مصروفیت
 سے فرار کی خاطر۔۔۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اس سے رنگ
 و روغن کا کام کرالوں۔ لیکن کے لئے وال جیسے۔ کالج کی شکل نکل
 آئے گی۔ انتاعمرہ ہو گیا۔ اب تو یہ اجازت لگنے لگا ہے۔"

"یہ تمہارا اور تمہارے کالج کا معاملہ ہے۔ میں کون اس
 معاملے میں بولنے والی۔ لیکن کیا اس لڑکے کو یہاں اکیلا چھوڑنا
 مناسب ہو گا؟"

"ارے۔۔۔ میں اسے لاہور سے جانتا ہوں۔ اور پھر اس کا
 گاؤں یہاں قریب ہی ہے۔ ایک بات بتا دوں" یہ لوگ چارادہ ہے
 ایمان ہرگز نہیں ہیں۔"

"پھر بھی۔۔۔ خیر تم جانو" اسٹیلانڈ نے پروا کی سے کہا۔
 "اس مسئلے کا ایک آسان حل یہی ہے" یہی نے کہا "تم اس
 بیٹے یہاں رک جاؤ۔ کام کی نگرانی بھی کر لیتا اور اس پر نظر بھی
 رکھنا۔"

اسٹیلانڈ خاصی دودھ دھ کے بعد مان گئی "لیکن مجھے گاڑی کی
 ضرورت ہوگی۔ ماسکو جا کر چنٹ اور دوسری چیزیں لانا ہوں گی۔
 ویسے میں تمہیں یہی بتا دوں کہ یہ برف پر ڈرائیو کرنا مجھے بالکل
 اچھا نہیں لگتا۔"

"ارے۔۔۔ کل تک برف کا نام و نشان بھی نہیں رہے گا۔
 دیکھو تاراش کے آثار رہیں۔"

"کاش ایسا نہ ہو۔ برف مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔ چند دن تو
 رہے۔"

ہر کیف یہ طے پا گیا۔ یہی نے سعید خان سے بات بھی کر لی۔

ابھی تک سعید خان نے لیکن کی طرف اشارے کے لئے غار کی شعلہ
 کوئی۔ باہر چاروں طرف اب بھی برف تھی۔ البتہ کچھ کچھ
 چھوٹے چھوٹے آگے آگے سے ابھی کچھ برف بڑھ رہی تھی۔ ان
 تیز دھوپ نے اسے کھلا دیا تھا "تمہارے خیال میں لڑکے سے
 اسٹراٹگ رہے گا۔" اسٹیلانڈ نے سعید خان سے کہا۔

"جی ہاں۔ میرا خیال ہے کہ میں مناسب ترین دیکھ رہا ہوں۔
 "تم زوریں بھی رکھتے ہو اور ہمیں دیکھوں کی ضرورت ہے۔"
 سید خان اسٹیلانڈ ایک آل سے دیوار صاف کر رہی تھی۔ سعید
 خان تازہ پلا سٹر سے دیواروں کے رشتے بھرے ہیں مصروف رہا۔
 "یہاں پچھلی کی بڑی طرح رہی ہوگی ہے" اسٹیلانڈ نے شکایت
 کی۔

سعید خان کا چہرہ شرمندگی سے تھما تھا آخر بھرے کپڑوں سے
 آ رہی ہوگی ہم صاحب "اس نے مصدقہ خواہش لہجے میں کہا "میں
 یہی کپڑے پہن کر چھلیاں پکڑے کیا تھا۔"

"اور۔۔۔ کبھی پچھلی پکڑی بھی ہے تم نے؟" اسٹیلانڈ کے لہجے میں
 اشتیاق تھا۔
 "جی ہاں ہم پچھلی کے شمار کو جاتے رہے ہیں۔"

"کہاں جاتے ہو؟"
 "یہ بچے تھا کوٹ ہے۔ وہاں دیرا ہے۔ بہت بڑا دیرا ہے۔"

"توٹ ہے تمہارے پاس؟"
 وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا "نہیں ہم صاحب کی" پھر اس نے
 پوچھا "آپ کو پچھلی اچھی لگتی ہے؟"

اسٹیلانڈ نے لبث میں سر ہلایا۔
 "ابھی بار بار کھنگلی تو آپ کے لئے پچھلی ضرور لادوں گا۔"

اسو سوٹ آف ہو۔ تم تو بہت شاندار آدمی ہو۔"
 یہ اور ایسا ہی پچھلی پچھلی طریقیں سعید خان پر اثر انداز ہوتی
 رہیں۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ ہم صاحب اسے پسند کرتے گئے ہیں اور
 ان کا انداز اس کے ساتھ شفا کا ہے۔ اس نے سوچا کہ اس کا
 بھی فرض ہے کہ ہر طرح سے ان کا خیال رکھے اور ایسا کوئی کام نہ
 کرے جو ان کے لئے نا پسندیدہ ہو۔ اس نے اٹھیں پچھلی کی بڑے
 پتائے کے لئے اپنا سوغا اور قمیص بھی اتار دی۔ وہ بڑی کے
 باوجود صرف بچان میں کام کر رہا۔

اسٹیلانڈ نے دھتے سے اسے جانے بنا کر دینی رہی۔ ہر بار آپ
 لئے وہ ایک خام بھی بناتی۔ اس نے اسے شراب کی بوتل نہیں
 دی۔ کیونکہ وہ کم عمر تھا "اگر تم نہاؤ تو کل میں تمہارے لئے پکرنے
 آؤں گی۔ جانے کی بجائے یہ بیڑیا تم۔"

"شکریہ ہم صاحب۔ اس کی ضرورت نہیں۔ جانے مجھے رہے۔"
 اچھی لگتی ہے۔

اسٹیلانڈ بھی کبھی بے اختیار اس کی آنکھوں کو دیکھنے لگتی تھی۔
 سنی ہار ایسا ہوا کہ عین اسی لمحے سعید خان کی نظریں بھی اٹھ
 گئیں۔ چند لمحے وہ اس کی آنکھوں میں لگتا اور پھر کبھی کبھار

پہر کیف یہ طے پا گیا۔ یہی نے سعید خان سے بات بھی کر لی۔

کچھ سکھائی گی۔

سعید خان کا چہرہ بڑھ گیا۔

"ہاں۔ مجھ سے پہلے بڑا دماغ بھی لے آیا۔"

○●○

سعید خان کا رات کو کالج جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ سڑک پر گزرتے ہی اسے جو کچھ سکھانے کو کہا تھا وہ سیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ غمگین سی نظر آتا تھا اور وہ حاکم سے منکر صورت تھا۔ اس نے اس کی موافقت کو ٹکارا تھا۔ وہ دوسرے طرح سے اس کا بدلہ لے سکتا تھا۔ ایک تو اسے پائلٹ کر کے لیکن ایک اچھائی جس اسے بتا رہی تھی کہ اس میں جیت انگریز عجم کی ہی ہوگی۔ وہ تو چاہتی ہی تھی کہ وہ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ وہ اس کے لئے ناقابل حصول ہو جائے۔ وہ اس کی آنکھوں میں انسانی خواہش دیکھ چکا تھا۔ اسے قہر دیکھنے میں اس کی جیت تھی۔

مگر یہ کام مشکل بھی تھا۔ وہ ہر حال ایک مرد تھا اور اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ فورت مرد کو یہ آسانی دیکھتی ہے۔ اس کے پاس براہ راست کے لئے دو ہتھیار تھے۔ ایک تو ذہن بے گناہ ست روکتا تھا۔ دوسرے یہ حقیقت کہ مسٹر جی رچمنڈ انگریز ہونے کے باوجود اسے اچھا انسان لگا تھا۔ عام انگریزوں کی طرح اس نے اس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ نہیں کیا تھا۔ اس کا ہنسنے کا اچھے انسان کے ساتھ غمگینی کے مترادف ہو گیا۔ وہ مگر پتہ چلا ہی انہیں میں تھا۔ مگر اسے لگا تو باہر دیر خان سے ملاقات ہو گئی۔ "یار۔ تم کہاں صاحب ہو آج کل؟" دیر خان نے کہا۔

"کام مل گیا ہے۔ تمہیں بتانے کا موقع ہی نہیں ملا۔"

"کہاں لی کیا کام؟"

"دوسرا آپ ایک انگریز صاحب کا بیٹا ہے۔ اچھا آدمی ہے۔

یار۔"

"قسمت والے ہو تم۔ اپنی تو لاہور کی کمانی چل رہی ہے۔ سوچا ہوں پھر لاہور چلا جاؤں۔"

سعید خان جانتا تھا کہ گھر میں ریشم کی شادی کی باتیں ہو رہی ہیں۔ دیر خان کا لاہور جانا ٹھیک نہیں تھا۔ پھر اسے ایک آئیڈیا سوچہ گیا۔ اس نے چند لمحے غور کیا۔ پھر مل میں سوچا۔ وہ آم کے آم اور گھنٹیلوں کے دام والا معاملہ ہے۔ وہ دیر خان کو اپنے ساتھ کام پر لے جا سکتا تھا۔ وہ میم صاحب سے بھی محفوظ ہو جاتا اور دیر خان لاہور بھی نہ جاتا۔ "یار۔ کل سے تم بھی میرے ساتھ چلو۔ کام پر" اس نے کہا۔

"تمہارا صاحب اعتراض نہیں کرے گا؟"

"اوہ رار! تم میرے ساتھ چلو۔ میرا تھکا ہوا صاحب جو بھی دے گا وہ آج آج اسے دے گا۔"

دیر خان سوچ میں پڑ گیا۔ "پھر بھی" تم پہلے پوچھ لو صاحب

سے۔

"صاحب تو مجھے کو آئے گا۔ یہاں تو صرف میم صاحب ہے۔ تم

میں کل میرے ساتھ چلو۔"

دیر خان ہنسیا۔ مگر پھر انہیں کیا۔ اس میں اس کا نقصان تو کوئی نہیں تھا۔ سعید خان نے بھی سکون کی سانس لی۔ براہ راست چل ہو گیا تھا۔ "بس تم لو بے جا دو رہا"۔ سعید خان نے دیر خان سے کہا۔

"وہ ہم دیر تک سوئی ہے۔"

"میں چار روپے کا۔"

"مستوبہ چھل پکڑنے چلے ہو؟" اچانک سعید خان نے پوچھا۔

"یہ اچانک چھل کی کیا سوچیں؟"

"اروار! کچھ لو یہ بھی کام ہے۔ وہ دیر نے میم صاحب سے وعدہ کیا تھا۔"

"کام ہے تو چلو۔ کام کے لئے تو میں ہر وقت تیار ہوں۔"

○●○

اگلی صبح وہ دونوں سائیکل پر بیٹھے تو اسٹیشن جاگتی ملی۔ اس کی آنکھیں سوجھ گھٹھیں۔ لگا تھا کہ وہ جاگتی رہی ہے۔ اور وہ بہت بار اس بھی تھی۔ "یہ کیا حرکت کی تم نے؟" اس نے پٹے سے کہا۔

"پتا ہے میں رات بھر جاگتی رہی ہوں۔"

"سوری مسز رچمنڈ۔ دیر سے دیر میں بہت دیر ہو گئی تھی۔ سعید خان نے مسدورت کی "میں پھیلیاں لایا ہوں جی آپ کے لئے۔"

"اور یہ کون ہے؟" اس نے دیر خان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ دیر خان حیرت زدہ ہوا اسے تنگ رہا تھا۔

"یہ میرا دوست بھی ہے جی اور پتہ چلا اچھا بھی ہے۔"

"اسے کیوں لائے ہو؟"

"یہ لی کام میں میرا ہاتھ باندھے گا۔ میں نے سوچا صاحب کے آنے سے پہلے کام مکمل ہو جائے تو صاحب خوش ہو جائیں گے۔"

"لیکن بلا اجازت۔۔۔۔۔؟"

"یہ الگ سے پیسے نہیں لے گا مسز رچمنڈ۔ میں اپنے پیسوں میں سے اسے دے دوں گا۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ کام شروع کرو۔ اسے کام سمجھا کر کام پر لگاؤ اور پھر گھر میں آؤ۔" یہ کہہ کر اسٹیشن اندر چلی گئی۔

سعید خان دیر خان کو اندر کمرے میں لے گیا۔ "یہ کمرہ پورا کرنا ہے۔ پھر اوپر دیر خان کو اندر کمرے میں لے گیا۔ یہ کچھ لو کہہ دوں میں کام

نہاتا ہے۔ تم کام شروع کرو میں آتا ہوں۔"

"یار سعید خان! تمہاری میم ہے بہت زبردوار" دیر خان نے کہا۔

سعید خان نے جاتے جاتے پلٹ کر اسے دیکھا۔ "یہ کوئی پہلی میم تو نہیں دیکھی ہے ہم نے۔"

"پہلی تو نہیں ہے۔ مگر یہ مرثی ہے تم پر۔"

"کوہم ہے تمہارا۔ میری بات سنو۔ اپنے کام سے کام رکھو۔ کسی پکڑ میں نہ پڑنا۔ میں نے میموں کے پکڑ میں لوگوں کو جان سے جاتے دیکھا ہے۔ یہ حاکم لوگوں کا معاملہ ہے۔ سعید خان نے سخت لہجے

میں کہا۔ "وہ تمہارے لئے رات بھر جاگتی رہی ہے۔"

"میرے لئے نہیں، چھل کے لئے"۔ سعید خان نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں شرم کا سکتا ہوں۔ اسے چھیلوں کا کوئی شوق نہیں ہے۔"

اس کی چھل تو تم ہو "دیر خان ایک آنکھ بند کر کے مسکرایا۔

"پتہ چل گیا اس مت کردہ کام کرو۔ میں تمہیں کام کے لئے یہاں لایا ہوں۔"

سعید خان پھیلیاں لے کر کچن میں پہنچا۔ کچن میں اسٹیشنا جاتے بنا چکی تھی۔ "شیشا کرو گے؟" اس نے پوچھا۔

"میں مسز رچمنڈ سے ہم ناشتا کر کے آئے ہیں۔"

"تو جاؤ۔ یہ جانے اپنے دوست کو دے کر آؤ" اس نے جانے کی پالی سعید خان کی طرف بڑھائی۔

سعید خان دیر خان کو جانے سے روک رہا تھا۔ "تو وہ جام ہاتھ میں لے چلی تھی" دیر خان نے کہا۔ "یہ تم دم چلا اپنے ساتھ کیوں لگا لائے؟" اس نے شکایت کی۔ سعید خان کی کچھ میں کچھ نہیں آیا تو اس نے وضاحت کی "یہ جو غیر آدمی کو تم میرے گھر میں لے آئے ہو۔"

"اسے میں کام کے لئے۔۔۔۔۔"

"وہ تو تم مجھے تھکا چکے ہو۔ مگر تمہیں مجھ سے اجازت لینا چاہئے تھی ڈیر۔"

"اور وہ غیر نہیں میرا بہت قریبی رشتہ دار ہے۔ دوست بھی ہے پھر میرا ہونے والا بہنوئی ہے۔"

"بہنوئی؟ تمہارا مطلب ہے۔۔۔۔۔"

"میری بہن سے اس کی شادی طے پا چکی ہے۔"

"اوہ نام کیا ہے اس کا۔"

"دیر خان ہے جی۔"

اسٹیشنا چند لمحے کسی سوچ میں ڈوبی رہی پھر بولی "جانے پائی کر تم بھی جاؤ۔ دوسرے لئے میں سینڈویچ بنادوں گی۔ چھل رات کے کھانے کے لئے کتنا۔"

"بہت بہتر مسز رچمنڈ۔"

○●○

شام پانچ بجے اسٹیشنا نے سعید خان کو آواز دی۔ سعید خان آیا تو اس نے کہا "اب اس دیر خان کی چھٹی کر دو۔"

"دیر خان میں بھی چھٹی کر لوں۔"

"نہیں، تمہیں تو کھانا تیار کرنا ہے۔"

"لیکن مسز رچمنڈ سے۔ میں اسے اکیلے تو نہیں بھیج سکتا" سعید

خان نے کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یوں تو دیر خان کو لانا بھی بے کار ہو جائے گا۔ "آپ جانتی ہیں" اس سے میرا کیا رشتہ ہے؟" اس نے

دیکھ دی "ہاں" اسے بھی روک لیں تو اوہ بات ہے۔"

"مگر میں اسے نہیں روکنا چاہتی۔ مجھے وہ بالکل اچھا نہیں

لگتا۔ تمہاری اور بات ہے۔"

"تو پھر کیا کر لوں؟"

اسٹیشنا تھوڑی دیر سوچی رہی۔ پھر اس نے قریب کے پیر میں سے سو کالٹ کھال کراتے ہوئے "میں ایسا کہہ کر اس کے ساتھ چلے جاؤ۔ سات بجے آؤں گا۔ پھر ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤ گے اور میں تمہیں اپنے لوگوں کے جوابدار طور پر چھٹاؤں گی۔"

سعید خان انہیں نہیں دیکھا۔ وہ جو کچھ کھانا چاہتی تھی وہ نہیں

سیکھتا تھا۔ وہ بہت غصہ کر رہا تھا۔ "آپ والا اور اس سم کے

اس کی آنکھیں پھٹ چکی تھیں۔ "مگر ہمارے ہمارے سونے کا کھانا

دو بے بہت بڑی بچہ تھے۔ وہ انور میں آتے تھے۔ کھانا انور میں دیا

پھر میں آتے تھے۔ کچھ نہیں ملتی تھی۔ اس دارن خانی سے صاحب

کتاب لگانے میں مصروف تھا۔ دو بے میں تو کھانا بھی مل سکتی

تھی۔ اور سو روپے ایسے بھی مل سکتے ہیں۔ یہ تو اس نے کسی سوچ

بھی نہیں تھا۔ اس لوٹ لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے

ایسے بہت سے لوٹ جمع ہو جائیں تو وہ بہت رخصت ہو سکتا ہے۔

بہت بڑا خان بن سکتا ہے۔ اس کے باپ کو اور کھانوں کو دوسری

کی زمینوں پر کام کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ان کے پاس

بے حساب زمین ہوگی اور عورت ہی عورت لوگ جھک کر

سلام کریں گے انہیں۔ جیسے میں ان کی بات کی ایک اہمیت

ہوگی۔

"کیا سوچ رہے ہو لڑکے؟"

اسٹیشنا نے اسے چونکا دیا "کچھ نہیں میم صاحب ٹھیک ہے"

میں آج آؤں گا جی۔"

لو کے چلے گئے۔ اسٹیشنا نے اسے آٹھ بجے شام بہت خوش

مکھڑا کر دیا۔ لیکن کچھ نہیں تھا۔ لیکن وہ بڑا شکرگزار نہیں تھی۔ برف

پگھل چکی تھی اور ہمارے تھوڑے ملازمین نظر آ رہے تھے۔ وہ بھی

اپنے بارے میں سوچتی رہی۔ کسی چوٹی کی تھی اس میں۔ وہ اس

کا بیچ میں بہت اچھا وقت گزار رہی تھی جس سے اسے غرت تھی۔

یہ تبدیلی صرف اس لئے کی وجہ سے آئی تھی۔ اس کی سوجھ کا

رخ سعید خان کی طرف مڑ گیا۔ وہ خود کو ٹھونکے گی۔ وہ رانٹ

دار ہے کہ کتنی تھی کہ اس لئے سے کوئی ایسی دیکھا غرض

نہیں۔ بس وہ تنہائی کی ماری ہو گئی تھی۔ محبت کے لمس سے کب

سے غمزدہ تھی۔ وہ غرت تھا۔ پکا ہنسا ہوا تھا۔ شاید وہ خود کو

تعمین دلانا چاہتی تھی کہ وہ ایسی زندہ ہے اور نہیں۔

چھینچ رہے تھے۔ کچھ بھی بلکہ کسی تھی۔ وہ آٹھ کر کچھ میں چلی گئی۔

آٹھ دان دھکا لے میں بندہ مٹ گئے۔ اب وہ بار بار گھڑی دیکھ

رہی تھی۔ پھر اس نے یہ سوچ کر اپنے لئے پہلا جام بھرا کہ جام ختم

ہوئے ہوتے وہ آجائے گا۔

سات بجے کے بعد اس پر جھجکا ہوا طاری ہونے لگا۔ وہ

دیکھ دی "ہاں" اسے بھی روک لیں تو اوہ بات ہے۔"

"مگر میں اسے نہیں روکنا چاہتی۔ مجھے وہ بالکل اچھا نہیں

کر کے سوچ لی ہوگی لیکن اس نے دودھ کا ڈھکے ڈھکے گود لے لیا۔ وہ اندر چلا گیا۔

میں صاب صفت دوم میں صاب صفت اول کے سامنے
 پہنچی تھی اس کے ہاتھ میں جام تھا۔ سامنے دیکھی تو تقریباً خالی
 ہو چکی تھی۔ وہ صاب صفت اول کا لباس پہنے ہوئے تھی جس کے نیچے کچھ
 بھی نہیں تھا۔ صاب صفت اول کا دل اچھل پھٹا ہوا تھا۔ اس نے دل
 کی بات میں مزاحاف کیا کہ میں شاید بہت حسین ہے
 ایشیا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور لڑکھائی ہوئی آواز

میں بولی "تم۔ تم بھئی ہو؟" وہ اس کے چہرے کے قریب آنکلی چھا رہی تھی۔
 "جیسے ہم صاب۔ میں سید خان ہوں۔"
 "وہ جو ہم صاب کہتے ہیں؟ یہ تو جانتی تھی؟" وہ الٹ الٹ کر بولی
 "جی ہاں، جی ہاں، وہ تو چہرہ کی جیسی فرشتہ کی مت کیا کرو۔"
 "میں سمجھا نہیں سترجے داس۔" سید خان کو ہم صاب والی
 سے ملنے کی طرح لگی تھی۔

”یہ گونہا طریقت ہے کہ جب چاہا اس نے احمال اور چلے
 ہے۔“
 ”وہ مسرور ہوا سن اور ہو گئی۔۔۔“
 ”کیوں اتنا بڑی کسم پستی؟“ اسٹالین اس پر بے حد سخت تھا۔
 سعد خان قسام راستے حذر ہی تو رہا تھا رہا تھا ”وہ بھی یہی

بہادر خان سے چھپائی نہیں چھوٹ رہا تھا۔ میں نے بہت شش کی۔ ایک بار گھر میں چلا گیا مگر کوئی دیر بعد باہر نکلا تو وہ رکے جاہر میں کھڑا ملا۔ آپ کا قلم اچھا تو میں اسے بھی لے آتا آپ نے منع کیا تھا۔ بس اسی پیکر میں دیر لگی۔"

اسیٹلا نے جام خالی کیا اور پھر پوئل غلام میں خالی کھڑی۔ میں احساس نہیں تھا کہ میں ایسی ہوں اور تمہارا انتقام کر دیتی ہے۔"

موسوی مسرور خزن میں ابھی کسانا تگ رہا تھا۔

"اب بھوک کھے ہے رہے دو" اسٹیپان نے بے ڈاری سے

”میں تم میرے پاس بیٹھو“ اسٹیل نے کہا اور اس کی کمر میں کر لیٹ گئی۔ مسجد خان کے لئے وہ بڑی آواز نکلتی تھی۔ اسے ہی سوائی قہرمت ملی تھی نہیں تھی۔ وہ اس کے لئے پہلا موقع

میت خوب صورت لگ رہی تھی اور اس کی نیم ہرنگی بہت
دلکش تھی۔ لیکن مردانگی کا توڑ بھی ہوا لگی ہی ہوتی ہے۔

اس نے اس کا مذاق بھی اڑایا ہے۔ وہ اسے اچھے لوگوں کے

لیکن اس نے سوچا تھا کہ شاید وہ لاہور کے کھائے ہوئے پیاز اور
 پیچھے چھین کا اردن سے وہ غائب بھی رہنے لگا تھا۔ یہ راز خود سعید
 خان نے اس پر کھول دیا۔ بلکہ اسے شریک بھی کر دیا۔ وہ بہت اچھا
 دوست تھا۔

اور خان ایک ملک کی کڑی سہ سادہ بر مرنا تھا۔ اس نے پہلی بیٹی شمس دیکھی تھی۔ پھر اس نے پہلی بیٹی دیکھی تھی۔ وہ بہت خراش لگتی تھیں اور اسی وجہ سے شمس ہونے کے باوجود شمس نہیں لگتی تھیں۔ انہیں کچھ لگتا تھا کہ فلاح ہیں اور متوجہ بھی نہیں ہو سکتیں۔ وہ وقت سے نو آڑی لگی

ہو گیا۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر میں رہنے لگا۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر میں رہنے لگا۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر میں رہنے لگا۔

تو اس چیز نے ابتدا میں ہی زورِ عمان کو بھڑکا دیا تھا۔ ارادہ کر لیا تھا کہ اس انگریز مہم کو ضرور فتح کرے گا۔ کیونکہ

ابھی نہیں جانتا تھا۔
اسے احساس تھا کہ ہم کو اس کا آغا چاہا نہیں لگا
اس نے انگریزی اہم کام میں مداخلت کی ہو۔ پھر اس نے
کہ ہم سعید خان پر ملقت ہے لیکن سعید خان اس سے
اتے لگا کہ شاید سعید خان اسے اس لئے لے کر آیا ہے
پھر سعید خان نے کہا تھا کہ کام سات آٹھ بجے
لیکن پہلے عدوان پانچ بجے پہنچ رہی تھی۔ وزیر خان
کہ تم دو اس کام رہتا ہے اسے عمل کر لیں مگر سعید

تھا۔ چھوڑو کی کرکٹیں کھیں
پھر واپس آتے ہوئے ایک اور اہم بات ہوئی
خان سائیکل چلا رہا تھا اور وہ بھیچے بیٹھا تھا۔ ایک چم
کا تانواں جگہ نے لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ اتر کر سائیکل
دھکا لگا تا سائیکل گر گئی۔ سعید خان بھی گرا اور
جیب سے سو روپے کا نوٹ بھی۔ سعید خان کو اس
نے جلدی سے نوٹ جیب میں دھک لیا۔
"یہ کیا ہے؟" وزیر خان نے پوچھا۔
"کچھ نہیں۔" سعید خان نے گڑبڑا کر کہا
"میں جیسے سعید خان کوئی جھوٹ مکر نے کی کرکٹ
صاف نے کچھ سامان لائے کو کہا ہے۔"
وزیر خان نے وقوف نہیں کیا۔ جس تیزی

۲۵۵

”ہاں جانتا ہوں“ دوسرے طالب نے دھمکی سے اس کے کمرے
 چاراً یہ تو تمہارا بچپن ہے۔“

”بھوپا ہے“ سید خان چکر کیا ”تم کتنی گھٹیا باتیں کر رہے ہو۔“

”اگرچہ تم مجھے غدارانہ ہو۔ اور میں تو اسے خوش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سید خان نے تم کو گھٹیا نہیں دیا۔ وہ ہمارے لئے یہ کتنا خوش ہو رہی تھی۔ یاد رکھو کہ یہ تو لاہور کی مزدوری سے بھی اچھا کام ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ یہ صاحب اور سیم صاحب جلدی قسمت جادوی کے یہ مولیٰ اسانی ہے یا راز۔“

سید خان کو سیم صاحب کی خوش یاد آئی تو وہ دل میں وزیر خان کی جانب سے بخیریت رہ سکا۔ اس کی دوسری بات بھی ٹھیک تھی ”وہ تو ٹھیک ہے وزیر خان۔ لیکن یہ سیم کو خوش کرنے میں لڑتے لڑتے آتا آگے نہ بڑھ چکا کہ خون خرابے کی نوبت آجائے۔“

”تم تو بالکل ہوا راز۔“

”نہیں بالکل نہیں ہوں۔ میں جانتا ہوں۔ تم بہت اچھے آدمی ہو۔“

”اچھا۔ اب بات ختم کر دیا راز۔ میں اٹھتا ہوں۔ مجھے دیکھو میں نے تم سے سو کے ٹوٹ کے بارے میں پوچھا بھی نہیں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں۔“

سید خان ہنسنے میں لگا۔ وزیر خان نے اس کی دیکھی رنگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

○●○

پتے کے دن دوسرے دن دو دنوں لڑکوں نے دیکھ دوغن کا کام نہ پایا۔ پھر وہ کیا رونا پٹنے میں لگ گئے۔ وہ جس سلیطے سے کام کر رہے تھے اسے دیکھ کر اسٹیل ہسٹ سٹار ہوئی۔ انہوں نے دو طرف دو دو کچھ پیالے مٹی میں گاڑ کر احرار سے ادر تک تلی پائندہ کر سٹیوں کے درمیان کی زمین نرم کی۔ بیج ڈالے پھر کھاد ڈالی اور پانی ڈال۔ کیا یہاں میں کسی بھی جگہ ایک سینی میٹر تک کا فرق نہیں تھا۔ وزیر خان سوچی پھولوں کے پھولے پودے بھی لایا تھا۔ وہ ابھی نہیں لگائے گئے تھے۔

اسٹیل کڑی انہیں کام کرتے دیکھ رہی تھی۔ کبھی وہ پلٹ کر کالچ کو دیکھتی۔ یہ حقیقت تھی کہ کالچ کی شکل نکل آئی تھی۔ اب کالچ کو دیکھ کر خوشی ہو رہی تھی۔ یہ سب لڑکوں کی محنت کا نتیجہ تھا۔ اسٹیل کو شیٹیں ہو گیا کہ یہ دونوں باغیچے کی شکل بھی بدل دیں گے۔ اچانک سید خان نے سر اٹھا کر اسٹیل کو دیکھا ”ناہم کیا ہوا ہے اسٹیل سیم صاحب؟“

”وزیر خاں جیتے والا ہے۔“

”اب ہم نماز کے لئے جائیں گے اسٹیل سیم صاحب۔ میں واپس میں کو بری کما دیکھ لاؤں گا۔“

”ٹھیک ہے سید خان۔“

سید خان نے ہاتھ بھاڑے اور سیدھا کھڑا ہو گیا ”پلو راز!“

”تھوڑے عرصے میں پھر ملیں“ اس نے وزیر خان سے کہا۔

”میں نہیں جاسکوں گا آج“ وزیر خان نے معذرت خواہانہ

”یہ میں جواب دہ“ میرے کپڑے پاک نہیں ہیں۔“

”تم نے اور کپڑے بدلنے میں جماعت نکل جائے گی۔“

”اگر میں ذمہ سے دقت کا خیال آیا۔ میرا جوتہ نکل گیا۔“

سید خان کے چہرے پر ناگوار دی ابھری لیکن وہ بغیر کچھ کہے چلا گیا۔ وزیر خان سر جھکا کر دوبارہ کام میں لگ گیا۔ ذرا دیر بعد اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو اسٹیل جانتا تھا۔ اس کے دل کو نہیں لگی۔

اس نے تو اس کی خاطر تھوڑے عرصے میں اور دھڑکا۔

اب اس کا دل کام میں نہیں لگ رہا تھا۔ تھوڑی دیر تو وہ پارل ٹاؤن سے گزر رہا تھا۔ پھر اس نے کھڑی دیوار ڈالی اور کالچ کی طرف چل گیا۔ اسٹیل ہسٹ دو م میں تھی۔ وہ صوفے پر بیٹھی کوئی میٹر کن

بڑھ رہی تھی۔ اس کا اسکرٹ اوپر سرک گیا تھا۔ وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وزیر خان ہنسنے لگا ہاتھ اسے دیکھتا رہا۔

اسٹیل کو گھورے جانے کا احساس ہوا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس نے اس قدر اچانک سر اٹھایا تھا کہ وزیر خان کو نظریں پانے کی سبقت نہیں لی۔ وہ بری طرح گزرا گیا۔

”کیا بات ہے؟“ اسٹیل نے درشت دیکھتے ہوئے کہا ”تمہیں نہیں معلوم کہ دروازے پر دستک دے کر اندر آتے ہیں۔“

”سیم صاحب“ میں اندر تو نہیں آیا۔ دروازے میں کھڑا ہوں۔“

اس نے بے حد مصیبت سے جواب دیا۔

اسٹیل کو بے ساختہ ہنس آگئی۔ ویسے اسے یہ حرکت بہت بری لگی تھی ”تم مجھے گھور کیوں رہے ہو؟“ اس بار اس کا لہجہ لہجہ نرم تھا۔

”سیم صاحب جی“ آپ پر نظر پڑا ہے تو ہنسی ہی نہیں جاتی۔“

اسٹیل مسکرا دی ”کیوں؟“

”میں نے آپ جیسا کوئی خوب صورت آج تک نہیں دیکھا۔“

”تم نے زیادہ عورتوں کو دیکھا ہی نہیں ہو گا۔ اسی لئے ایسا لگتا ہے تمہیں“ اسٹیل نے غصے سے کہا۔

”یہ بات تمہیں سیم صاحب جی“ وزیر خان نے کمراسٹس لے کر کہا ”ہمارے علاقے میں بھی خوب صورتی کم نہیں ہے جی۔ پھر میں نے لاہور میں چار سال گزارے ہیں۔ میں نے بڑی عیون کو دیکھا ہے جی۔ پر آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔“

”میری کیا چیز اچھی لگی ہے تمہیں؟“

”آپ پوری۔ سر سے پاؤں تک“ وزیر خان نے دونوں ہاتھوں سے سر سے پاؤں تک کا معاملہ کرتے ہوئے کہا لیکن دو مقام ایسے تھے جہاں اس نے دانستہ اپنے ہاتھوں کو ایک ٹاپے کے لئے ساکت کر دیا تھا۔ خوب صورت ہیں“ اس نے جملہ مکمل کیا۔

اسٹیل کو اپنے سارے جسم کا فون چہرے کی طرف لپکا محسوس ہوا۔ یہ بات خود اس کے لئے بھی حیرت انگیز تھی۔ وہ ایسے معاشقے کی پودہ تھی جہاں حسن کی تعریف بہت بے باکی سے کی

جاتی ہے لیکن اس تعریف میں حجاب میں لپٹی ہوئی ایسی بے خیالی تھی جس نے اسے حیرت ہونے کا بہت شدت سے احساس دلایا تھا۔ وہ بے ساختہ جسم چرائے لگی تھی۔ اس نے اپنے اسکرٹ کو ہینگل سے برابر کیا اور فلک جیسے میں ہوئی ”تم نے بتایا نہیں“ تم

”کیوں آئے ہو۔“

”جو کہ لگ رہی ہے سیم صاحب جی۔“

”اچھا۔۔۔ میں کچھ کرتی ہوں تمہارے لئے۔“

”میرا یہ مطلب تمہیں تھا سیم صاحب جی۔ آپ مجھے اجازت دیں۔ میں خود ایک چیز بناؤں گا۔ آپ بھی گھاسیں گی؟“

”کیا بناؤں گے تم؟“

”کیا کر دیکھیں گے گا۔ آپ کا دل خوش ہو جائے گا۔“

”اچھا“ ٹھیک ہے۔“

وہ عین میں چلا گیا۔ اسٹیل بیٹھی اسی کے بارے میں سوچتی رہی۔ اس کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ جتنا سید خان میں مہول

پن تھا“ اتنا ہی وزیر خان حلالک تھا۔ حلالک ہی نہیں“ اس کی خود اعتمادی بھی غیر معمولی تھی۔ اس ملک میں ایسے کتنے مقامی لوگ ہوں گے جو اس کی طرح کسی انگریز عورت کے حسن کی تعریف اتنی بے باکی سے کر سکیں۔ اسٹیل کو تو آپ تک ایسا کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ اسٹیل کو اس کی نظریں“ اس کی تعریف تو انہیں لگی تھی لیکن

سید خان کے مقابلے میں وہ اسے اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی یہ نظریں سید خان کی ہوتیں یہ تعریف سید خان نے کی ہوئی تو کتنا اچھا لگتا۔

ادھر کچھ میں وزیر خان نے چھ انڈے توڑے اور زردی کو اچھی طرح پیسٹ کیا۔ پھر اس میں شہ ملا دیا۔ اس کے بعد اس نے فراٹنگ چین میں مکھن والا۔ ڈبل روٹی کے سلائس زردی اور شہ میں بھگو کر اس نے انہیں مکھن میں قل لیا۔ اسے اندازہ تھا کہ سیم

صاحب کا پی زیادہ پسند کرتی ہیں۔ اس نے کافی بتائی۔

کھانے کی چیزیں اس نے بڑے سلیطے سے میز پر رکھ دیں۔ پھر وہ سیم صاحب کو بلانے چلا گیا ”میں تو قیس کھاؤں گی۔ تم کھاؤ“

اسٹیل نے کہا۔

”آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔“

وہ بچوں کی طرح ایکساٹ ہو رہا تھا۔ اسٹیل کو مزید انکار کی ہمت نہیں ہوئی ”اچھا ٹھیک ہے۔“

نیمبل پر بیٹھنے کے بعد اسٹیل نے بڑی پورگی سے دیکھا۔ مگر دل رکھنے کی خاطر ایک ٹوٹ اٹھایا۔ ٹوٹ کا ایک ٹکڑا دائروں سے کاٹتے ہی اس کے چہرے کا تاثر بدل گیا۔ اس نے نظریں اٹھائیں۔

وزیر خان داو طلب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا ”واہ بھئی“ تم نے تو کمال کر دیا“ اس نے پوری سچائی سے کہا اور وزیر خان خوش ہو گیا۔ یہ بڑی بات تھی کہ خرابی نہ ہونے کے باوجود وہ تین ٹوٹ کھا گئی۔ کافی بھی بہت عمدہ تھی۔

کھانے کے بعد وزیر خان دوبارہ کام میں مصروف ہو گیا۔ اس

دو دنوں کے کام کر رہا تھا۔ چھٹی ہی سہی مگر سیم صاحب کے معاملے میں اسے پہلی کامیابی حاصل ہو گئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ سید خان کو پہلے آئے کے اعتبار سے اس پر نوبت حاصل ہے لیکن

اور بہت سے معاملات میں اس سے آگے تھا۔ کام مکمل اور وقت طلب تھا۔ لیکن اسے جیس تھا کہ وہ اپنے صاحب کا دل جیت لے گا۔

ایک گھنٹے بعد سید خان سنی آیا۔ وہ کمرے پر بھڑکی گئی۔ پوری رکھ کر لایا تھا۔ سوائچ اٹھنے اٹھنے انہوں نے باغیچے کا کام بھی مکمل کر لیا۔ پھر انہوں نے ہاتھ منہ دھو کر کپڑے بدل لئے۔ اب انہیں صاحب کی آواز کا انتظار تھا۔ جب کی آواز نہ سنا لی تو انہیں

نے بچوں کی طرح اس طرف دوڑا دیا۔

پوری درجن کچ سے کالی اور تھاکہ وہ اس تک پہنچی تھے پوری نے بریک لگا دیا ”کیا بات ہے؟“ خیریت ہے“ اس نے پرتشیش لہجے میں پوچھا۔

”سب ٹھیک ہے صاحب۔ آپ چل کر کام دیکھیں ہمارا۔ گاڑی نہ روکیں۔ ہم ساتھ ساتھ بھاگیں گے۔“

”نہیں۔ تم بیٹھ ہی جاؤ۔“

انہیں بھاگنے کی وجہ میں کالچ تک پہنچا۔ کالچ کو دیکھ کر اس کا دل خوش ہو گیا۔ باغیچے کو تو وہ اس وقت نہیں سراہ سکتا تھا کہ

اندھرا ہو گیا تھا۔ اندر جا کر اس نے ہر کمرے کا، لیکن کا اور ہاتھ دو م کا جائزہ لیا ”تم نے کمال کر دیا“ اس نے سید خان کی بیٹہ

ٹھیکے ہوئے کہا ”مگر تمہارے ساتھ کون ہے؟“

سید خان نے وزیر خان کے متعلق بتایا ”اس نے میرا ہاتھ

پٹایا ہے صاحب جی۔ وہ یہ اتنی جلدی ہونے والا کام نہیں تھا۔“

”ہاں۔ میں جانتا ہوں“ پوری نے کہا ”لیکن سید خان ایک بری خیر ہے۔ میں تمہیں ابھی مزدوری نہیں دے سکوں گا۔ پیسے

نہیں ہیں میرے پاس۔“

”صاحب جی۔ یہ تو کافی بات ہی نہیں۔ آپ مجھے دھوکے

دیں۔ اس لیے طبیعت سے کام کیا ہے آپ کا۔ بیروں کی بات تو نہیں ہے۔“

”پھر بھی ضرورت تو ہوتی ہے۔“

”ہم غریب لوگ ہیں صاحب جی۔ ہمارا گزارہ تو پیسے کے بغیر بھی ہوتا ہے۔ وہ تو لاہور سے کچھ کلائے تھے۔ وہ ہمیں میٹوں پیسے کی شکل نظر نہیں آتی۔“

”مجھے اپنے بارے میں بتاؤ سید خان“ پوری نے اس سے کہا۔ وہ خیر اس وقت سٹنگ دو م میں بیٹھتے تھے۔ اسٹیل نے ان کے سامنے کافی کی پیالیاں رکھ دی تھیں۔ سید خان نے اپنے بارے میں تفصیل بتائی۔ پوری توجہ سے سنتا اور سر ہلاتا ”واہ بھئی“ مشورہ پیش

یاد رکھنا۔ جب بھی موقع ملے کچھ بھی نہ کرنا۔ اس ضمن خیریت“ اس نے کہا ”یاد رکھو“ زمین بہت بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اور گھٹے

تھیں ہے کہ تمہیں زمین خریدنے کا موقع ضرور ملے گا۔“

دونوں لڑکے خوش ہو گئے تھے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ پہنچے دیکھ رہے تھے۔ سعید خان کے پاس اس وقت دو سو روپے جمع ہو گئے تھے۔ یہ اتنی بڑی رقم تھی کہ وہ زمین خرید سکتا تھا۔ صاحب نے بچ کا ہاتھ اسے زمین خریدنے کا موقع ضرور ملے گا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ جلد بازی کی ضرورت نہیں۔ امید تو یہی تھی کہ اسٹیل کے کام کے بعد بھی کم از کم سو روپے ضرور ملیں گے۔ پھر وہ زمین خریدے گا۔ اس کے بعد میں روپے باہور اٹکے۔ وہ بھی متوقع ہی ہوں گے۔ اور پھر مزید زمین!

دوسری طرف وزیر خان نے بھی بڑی دیر دس کا مشورہ گرہ میں باندھ لیا تھا۔ وہ بھی زمین کے خواب دیکھ رہا تھا۔ یعنی زمین ان دونوں کا خواب مشترک تھا۔ لیکن وزیر خان کی آنکھوں میں ایک اور خواب بھی تھا۔ اور وہ وہ رستم کا نہیں، میم صاحب کا تھا۔ وہ اس قصور سے شرمناک تھا کہ وہ میم صاحب کو گھر سوار کی شکایت کا۔ اس قصور نے اس کے خواب کو اور رنجیں کر دی تھیں۔

اگلے روز صبح انھوں نے اسٹیل پر کام شروع کر دیا۔ وہ بہت محنت کر رہے تھے۔ شام کو دوپہر تک... بلکہ بعض اوقات رات تک کام کرتے۔ دونوں کا مقصد یہی تھا کہ جلد از جلد کام مکمل ہو جائے اور انھیں پیسے مل جائیں تاکہ زمین خریدی جاسکے۔ دونوں نے اسٹیل کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اسٹیل کو ذریعہ بننے ہونے لگا تھا۔ لیکن وہ شراب سے دور رہی تھی۔ اکثر وہ چائے، کافی یا سینڈویچ لے کر ان کے پاس پہنچ جاتی۔ دیر تک بیٹھ کر انہیں کام کرتے دیکھتی رہتی۔

چوتھے دن کچھ سامان لانے کی ضرورت پڑی۔ سعید خان کاٹیج میں چلا گیا۔ اسٹیل شنگ موم میں ڈھکی تھی۔ کیا بات ہے ڈارلنگ؟ تم یہاں کیسے؟ اسٹیل نے پوچھا۔ تم نے تو یہاں اتنی ہی چھوڑ دیا ہے۔ میں اکیلے رہ رہی ہوں۔

"کام کی مصروفیت ہی اتنی ہے اسٹیل میم صاحب۔ وقت ہی نہیں ملتا۔" سعید خان نے معذرت بھرے لہجے میں کہا۔

"اتنی جلدی کیا ہے کام کی۔ آرام سے کرو۔"

"وہ کی کام ختم ہو گا تو پیسے ملیں گے۔"

"پیسے؟ یہی نے تو کہا تھا تمہیں پیسوں کی پروا ہی نہیں؟ اسٹیل نے حیرت سے کہا۔

"پیسوں کی تو واقعی پروا نہیں ہے۔ پر اسٹیل میم صاحب زمین کی تو فکر ہے۔"

"اچھا؟ اسٹیل کی کچھ سمجھ میں آیا؟ کچھ نہیں آیا؟" "نہیں... بیٹھو تاریاں۔"

سعید خان بدستور کھڑا رہا۔ "وہ اسٹیل میم صاحب کی کچھ سامان جا کر لانا ہے بازار سے۔ پیسے چاہئیں۔"

"کون جانیے گا یا بازار؟"

"میں جانتاں گا۔"

اسٹیل نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ساڑھے چار بجے تھے۔ "ایسا

کرو۔۔۔ ایک گھنٹہ بعد وزیر خان کو ساتھ لے کر آنا۔ میں پیسے دے دوں گی۔"

اسٹیل میم صاحب بازار بند نہ ہو جائے۔

"بہن میں ہمتی ہوں دوسرا ہی کرو۔" اسٹیل نے سخت لہجے میں کہا۔ وہ چلا گیا۔

ساڑھے پانچ بجے وہ دونوں آئے تو اسٹیل آتش دان دہلائے کی تیار کر رہی تھی۔ "آگے تم دونوں۔ میں ابھی پیسے دیتی ہوں۔" اسٹیل نے کہا۔ اور میز پر رکھے ہوئے پے پر کی طرف بڑھی۔ پرس سے سو کا نوٹ نکال کر اس نے وزیر خان کی طرف بڑھایا۔ "یہ لو۔ لیکن پہلے ایک کام کرو۔ ذرا کچھ لکڑیاں کاٹ کر لا دو آتش دان کے لیے۔"

"لیکن اسٹیل میم صاحب! یازد تو مجھے جانتا ہے۔" سعید خان نے احتجاج کیا۔ وزیر خان کی نظروں میں تائید تھی۔ اسے میم صاحب کے ساتھ اکیلے رہنے کا موقع مل رہا تھا۔

"ایک تو تم لوگ میرا حکم بھی نہیں مانتے۔" اسٹیل نے درشتی سے کہا۔

"میں تو مانا ہوں میم صاحب۔" وزیر خان نے کہا۔ "میں لکڑیاں لانا ہوں گی۔" یہ کہہ کر وہ باہر چلا گیا۔

"اب تم جا کر اپنا کام کرو۔" اسٹیل نے سعید خان سے تنگ لہجے میں کہا۔ وہ بھی چلا گیا۔ کوئی تو مجھے کہنے کے بعد وزیر خان لکڑیاں لے کر آیا۔ "یہ ہے میم صاحب۔"

"تمک ہے اب تم بازار پر بیٹھ جاؤ۔"

"لیکن میم صاحب! میرے خوشے پیچھے دکانیں بند ہو چکی ہوں گی۔ سامان کھل لے آؤں گا۔"

"نہیں آج ہی کو شش کرو۔ دکانیں بند ہوں تو گھر پہنچے۔ کل سامان لیتے ہوئے آنا۔"

وزیر خان اس بات میں خوش نہیں تھا۔ لیکن پہلے ہی دن وہ دھڑ کر چکا تھا کہ اس کا ہر حکم ملے گا۔ اور یہ میم صاحب کا حکم تھا۔ پھر اسے خیال آیا کہ یہ بھی گھما لے گا سو اتھوڑا نہیں۔ اس سامان کی خریداری میں وہ کچھ رقم بچا بھی سکتا ہے۔ وہ ملام کر کے نکل آیا۔ جانے سے پہلے اس نے سعید خان کو کھانا حاضہ بھی کیا۔

چند روز بعد اسٹیل نے سعید خان کو آواز دی۔ وہ آیا تو وہ بیٹھی نیگڑوں کی درق گردانی کر رہی تھی۔ "ستو ڈارلنگ! میں ہاتھ دھو جا رہی ہوں۔ تم ذرا آتش دان دہکا دو۔ اور ہاں... ہاں... ہاں... مجھے دیر لگے تو یہاں آتش دان کے سامنے بیٹھ کر اس نیگڑوں سے دل بہلاؤ۔"

"لیکن میم صاحب! مجھے بڑھانہ کھانا آتا ہے۔"

"یہ پڑنے والا نہیں دیکھنے والا رسالہ ہے۔" اسٹیل نے یہ کہہ کر ہاتھ دھو کی طرف چل دی۔

سعید خان نے آتش دان میں سیلے سے لکڑیاں بھائی کچھ کاندہ رکھے اور ایک جلتا ہوا کاندہ ان پر ڈال دیا۔ کچھ دیر وہ کھڑا رہا

کچھ کچھ کے لیے کہ دوبارہ آگ جلائے کی ضرورت تو نہیں ہے۔ پھر وہ بے فکر ہو کر بیٹھ آئے۔ اس نے وہ رسالہ اٹھایا جو اسٹیل اس کے لیے چھوڑی تھی۔ قارئین پر اتنی باتیں مار کر بیٹھنے کے بعد اس نے بہت اطمینان سے رسالہ کھولا۔ لیکن پہلی تصویر پر نظر پڑے ہی وہ ہکا بکا ہو گیا۔ کئی لمبے کمر گھسے۔ وہ رسالے کو بند کرنا چاہتا تھا۔ لیکن رزستے ہاتھوں کو حرکت دینا جیسے اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ وہ تصویر سے نظریں ہٹا لیا چاہتا تھا لیکن آنکھیں سرکھٹی، اثر آتی تھیں۔ اس کے دماغ میں سنسنی مٹ نہیں تھی۔ برائی کا احساس اس کے اندر موجود تھا۔ لیکن وہ بھی اس کی طرف بے بس تھا۔

بڑی مشکل سے... بہت کوشش کر کے اس نے نظریں ہٹا لی۔ اس نے کمرے میں داخلہ اور دھڑکنا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ وہ رسالہ نہیں ہے جو میم صاحب اس کے لیے چھوڑ کر گئی تھی۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اس نے غلطی سے دوسرا رسالہ اٹھالیا ہے۔ مگر کمرے میں کوئی اور رسالہ تھا ہی نہیں۔

اسے معلوم تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے۔ رسالہ دیکھنے کی خواہش اس کے اندر بے حد شدید تھی۔ وہ اس خواہش کے خلاف مزاحمت کر رہا تھا۔ لیکن وہ خواہش طوفان کی طرح اس کے اندر ابھری تھی۔ اسے احساس تھا کہ وہ یہ جنگ ہار جائے گا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کا دماغ شل ہو رہا تھا۔ آنکھیں پھل رہی تھیں۔ نظریں لے قابو ہوتی جا رہی تھیں۔ پھر وہ طوفان اس کے ہوش و حواس کو جھٹکنے کی طرح ہٹا لیا۔ اس کی نظریں رسالے کی تصویر پر جم گئیں۔ اب طوفان جیسے دماغ تک پہنچ گیا تھا۔ کسی سحر زدہ معمول کی طرح اس نے ورق الٹ دیا۔ سامنے ایک اور تصویر تھی۔... پچھلی تصویر سے زیادہ تباہ کن!

یہ پہلا موقع تھا کہ کبھی ایک با معلوم و حشمت میں گرفتار ہو کر جو کچھ وہ تصویر میں دیکھنے کی کوشش کرتا تھا بغیر کسی ایہام کے دیکھ رہا تھا۔ اس کی وحشتوں کی کوئی حد نہیں تھی۔

وہ ورق الٹا رہا۔ بعض تصویروں کو اس نے کئی کئی بار دیکھا۔ ایک جاوہ تھا جس نے اسے اسیر کر لیا تھا۔

وہ اس قدر متنبہ تھا کہ اسے قدموں کی چاپ بھی نہیں سنائی دی۔ اسے نظروں کی جھپٹ کا احساس بھی نہیں ہوا۔

اسٹیل کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ وہ اس وقت تصویر سے زیادہ جاہ کن تھی۔ اس کے جسم پر ایک بار یک گاہکوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ سعید خان اس کے پچھلے ہونے جال میں پھنس چکا ہے۔ وہ ایک بازگ سرخیں گرفتار ہے۔ اسے یہ احساس بھی تھا کہ اس کا اسے پکارنا مناسب نہیں۔ ایک حرکت سے دوسرے حرکت نظر پڑتے ہیں جو ایک ٹائیپ آئے گا وہ اسے اس ظلم سے آزاد بھی کر سکتا ہے۔ وہ کچھ کام نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ دپے پاؤں بڑھی اور بڑی آہستگی سے قارئین پر اس کے سامنے جا بیٹھی۔

اس کی موجودگی کے احساس سے سعید خان کی محویت ٹوٹی۔

اس نے نظریں اٹھائیں تو اسے وہ پہلا... پہلا ظلم کاغذی تھا۔ مگر یہ بیٹھا جانے، سانس لینا ظلم تھا۔ اسٹیل کے جسم سے خوشبو کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ وہ ایسی کوئی دہی تھی۔ ایک لمبے کوہلوں کی نظریں تھیں۔ پھر سعید خان کی نظروں نے نیچے کا سفر شروع کر دیا۔

اس بار سعید خان کو معلوم ہوا کہ طوفان کیا ہوا ہے۔ اس سے پہلے وہ جسے طوفان سمجھ رہا تھا، وہ تو طوفان کا آئنا تھا۔ طوفان تو اب سراٹھا رہا تھا۔ وحشت ہی وحشت تھی۔ ایسی وحشت تو اس کی کبھی طاری نہیں ہوئی تھی۔

اس کا دماغ عمل تو اسٹیل کے لیے خلاف توقع نہیں تھا۔ لیکن اس کی شدت اس کی توقع سے کہیں زیادہ کر گئی۔ وہ اس پر یوں چھتا تھا جیسے کوئی باز چڑھا کر دھکا ہے۔ وہ خود کوئی موسم کی گڑباز نہیں تھی۔ لیکن لکھنؤ میں وہ اس پر یوں طرح چھا گیا۔ اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ وہ جانتی تھی کہ مزاحمت وحشت کو اور سوا کر دے گی۔ وہ حد سے بڑھنے لگا تو اسٹیل نے تحدید ہی لہجے میں اسے پکارا "سعید خان!" اس نے دانستہ اسے ڈارلنگ کہنے سے گریز کیا تھا۔ پہلی پکار بے اثر ہوئی۔ دوسری... تیسری پکار پر اس کے ہاتھ ہلکے چھوٹے پکار رہا اس نے چونک کر اسٹیل کو دیکھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں شناسائی نہیں "انجینئر تھی۔"

"سعید خان... ہوش میں آؤ۔" اسٹیل کا لہجہ بے حد سخت تھا۔

"اسٹیل! اس نے ہماری آواز نہیں سنی۔"

"میں نے نہیں پہلے بھی کہا تھا ڈارلنگ کہ ہر کام کے آداب، طور طریقے ہوتے ہیں۔ خاص طور پر محبت کے۔ اور میں نے یہ بھی کہا تھا کہ میں تمہیں آداب سکھاؤں گی۔"

سعید خان کے ہاتھ اب بھی گستاخی پر آمادہ تھے۔

"سعید خان۔ اب اگر تم بات نہ آئے تو میں تمہیں کانچ سے بھی نکال دوں گی اور نوکری سے بھی۔ وزیر خان تم سے لاکھ روپے بھرے۔ وہ کانچ دار ہے۔ میرے ہر حکم کی تعمیل کرنا ہے۔"

اس بار سعید خان پوری طرح ہوش میں آگیا۔ بلکہ اسے ایسا لگا جیسے کسی نے نئے خستہ پانی کی بائلی اس کے سر پر اندھیل دی ہے۔ اسے جھکا سا لگا۔ اس کا دماغ سنسنی لگا۔ کانچ سے نکالے جانے پر اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ لیکن نوکری سے نکالا جانا اسے قبول نہیں تھا۔

"ڈارلنگ... اتنی جلدی کیا ہے۔ وقت کی تو کمی نہیں ہمارے پاس۔" اسٹیل نے بار بار بھرے لہجے میں کہا۔

لیکن اب اس لیے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ظلم پوری طرح ٹوٹ چکا تھا۔ سعید خان اس وقت غصے اور نفرت سے جھجک رہا تھا۔ لیکن اتنی ذہنی اٹھانچ کے باوجود غصے اور نفرت کے باوجود اسے اس بات کا خیال رہتا تھا کہ اس کے مفادات کو کوئی نہیں دھونچے۔ یہ دوسرا موقع تھا کہ اسٹیل نے اس کی سزا دہی کی اس کے وجود کی توہین کی تھی۔ اس نے نظروں کے بغیر اسے ہلکی اور اجنبی

تھا۔
”کیا سوچ رہے ہو ڈارلنگ؟“ اسٹیلانے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔
”مصلحت نے سعید خان کو اس کا ہاتھ جھٹکنے سے روک دیا۔“
”کچھ نہیں اسٹیلانے۔“
”صرف اسٹیلانے کو مجھے“ اسٹیلانے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”اسٹیلانے میں تمہاری باتوں پر غور کر رہا ہوں۔“
”ستو ڈارلنگ میں تمہیں سمجھاتی ہوں۔ محبت بہت نازک اور لطیف چیز ہے۔ اس میں بار بار بھری باتوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔“
”اسٹیلانے کہتی رہی۔ لیکن سعید خان کچھ نہیں سن رہا تھا۔ وہ تو یہ سوچ رہا تھا کہ وہ ایک قیمتی گناہ سے بچ گیا۔ اس اعتبار سے سمجھنے اس پر احسان کیا ہے۔ وہ تو بوش و حواس کو بیٹھا تھا۔ اسے اچھے برے کی تمیز نہیں رہی تھی۔ ایک بار وہ گر جاتا تو پھر بیٹھ دلت کے اس کو نہیں میں گرا رہتا۔ پھر اس نے سوچا احسان اپنی جگہ مگر اس دلت اور توہین کا بدلہ ضرور لینا ہے اور وہ بھی ایسے کہ اس کے مفادات پر ضرب بھی نہ پڑے۔“

”مجھ رہے ہوں میری بات؟“ اسٹیلانے اسے چونکا دیا۔
اس نے اسٹیلانے کو دیکھا اور سہلے ہوئے کہا ”جی ہاں۔“
”ہا ہوں“ اسے حیرت ہوئی کہ اب وہ اسے اتنی بڑی لگ رہی ہے کہ دیکھنا بھی اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ خوب صورت تو وہ اب بھی تھی۔ لیکن اسے دیکھ کر کراہت آ رہی تھی۔
”تو پھر عمل بھی کرنا۔“

”ایک بات کہوں اسٹیلانے۔ آج آپ کے چہرے پر وہ چمک نہیں ہے جو اس دن تھی۔ وہ گھائی رنگت بھی نہیں ہے۔“
”میرا خیال تھا کہ میں بہت اچھی لگ رہی ہوں“ اسٹیلانے ہلکی سی سے کہا۔

”جی تو آپ بیشہ لگتی ہیں۔ مگر آج جو کی ہے وہ مجھے معلوم بھی ہے۔“
”خوش تھو بتاؤ۔“

”جب آپ بیٹھی ہیں تو آپ کا چہرہ تھما جاتا ہے۔ آپ بہت اچھی لگتی ہیں اس وقت۔“

سعید خان کی بات نے اسٹیلانے کو بھڑکا دیا۔ واقعی.... شراب بھی ہو تو وہ آتش ہو جائے۔ وہ انھی اور جا کر بول اور جام لے آئی۔ سعید خان نے تشویش سے دیکھا کہ وہ درد جام لائی ہے اور بنا بھی رہی ہے۔ اسٹیلانے جام اس کی طرف بڑھایا تو اس نے احتجاج کیا ”یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟“

”تم بھی پیو گے نا میرے ساتھ۔“ اسکیلے پینے میں لطف نہیں آتا۔“

”لیکن آپ جانتی ہیں کہ میں نہیں پی سکتا۔ ہمارے لیے تو یہ

”حرام ہے۔“
”خوام تو ہمارے لیے بھی ہے۔ تم فضول باتیں مت کرو۔ منع تو ہمارا اس طرح ساتھ بیٹھا بھی ہے۔“
سعید خان کو جھکا لگا۔ کہ تو وہ ٹھیک رہی تھی۔ لیکن وہ اسے کیسے بتا کر اس کا اس دوسرے گناہ کا بھی کوئی ارادہ نہیں ”نہیں اسٹیلانے۔ میں پی ہی نہیں سکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ میں نے پی تو میری طبیعت خراب ہو جائے گی۔ پھر سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔“
اسٹیلانے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے سر کو تھپتی جھنپ دی۔ وہ اس شام کو برباد نہیں کرنا چاہتی تھی۔
”ٹھیک ہے۔ میں اصرار نہیں کروں گی۔“

سعید خان اس کی تعریف کرتا رہا اور اسے اور پینے پر اکساتا رہا۔ ”پنا نہیں کیا بات ہے۔ وہ چمک ہی نہیں آئی آپ کے چہرے پر۔“ وہ یہ کہتا اور ایک اور جام اسے تھما دیتا۔ پانچویں جام کے بعد اس کی زبان لڑکھانے لگی۔ آنکھوں میں دھندلاہٹ اتر آئی۔
”اسٹیلانے صاب مجھے کچھ پیوں کی ضرورت ہے۔“

”وہ جی بے وقوف کہتا تھا“ تھیں پیے کی پروا نہیں“ اسٹیلانے اس کی آنکھوں کے آگے انگلی چبائے ہوئے کہا ”مگر تم غور نہ کرو۔ میں تھیں پیے دوں گی۔“

یوں سعید خان کو سو روپے کا بونس بھی مل گیا۔ تھوڑی دیر میں اسٹیلانے بالکل آؤٹ ہو گئی۔ اس بار سعید خان اس پر اوپر لے جا کر لٹنے کی مہلاتی کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ تاہم اس نے اتنا ضرور کیا کہ آتش دان میں مزید کنگزیاں ڈال دیں اور ایک کپل لاکر اس کے جسم پر ڈال دیا۔ پھر وہ کالج سے نکل آیا۔

○●○
اسٹیلانے آکھ صبح چار بجے کے قریب کھلی۔ اس نے اپنے رادھہ اور ٹولا۔ اسے توقع تھی کہ سعید خان وہاں موجود لے گا۔ لیکن وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر اسے اپنے جسم پر پڑے کپل کا احساس ہوا۔ کپل تو وہ ساتھ نہیں لائی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

وہ شنگ دوم میں ہی تھی۔ آتش دان سرد ہو چکا تھا۔ اسے قہر قہری پڑنے لگی۔ اس نے خود کو انھی طرح کپل میں پیٹ لیا۔ اس صرطے سے گزرنے کے بعد اسے اپنی کیفیت سمجھنے کا موقع ملا۔ اس کی زبان انٹنی ہوئی تھی اور یوں موٹی ہو رہی تھی کہ جیسے منہ میں مٹی نہیں سکے گی۔ حلق میں کانٹے ابھر رہے تھے۔ منہ میں کڑواہٹ تھی۔ ذہن کا یہ حال تھا کہ اس کے لیے کچھ سوچنا بھی مشکل تھا۔ اس کیفیت کا تو وہ بھی ایک جام ہی تھا۔ مگر وہ اب پینا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے اٹھ کر ایک جام لیا اور پھر کچھ میں پی لی۔ اس نے خوب گاڑھی سیاہ کالی بنائی۔ خرموس میں کالی بھر کے وہ ہند دوم کی طرف پل دی۔ جام پینے کے بعد داغ پر چھائی ہوئی دھند چھٹی محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ ایسے کام نہیں چلے گا۔ اوپر پہنچ کر وہ بستر پر نیم دراز ہو گئی۔ اس نے ایک اور کپل اپنے اوپر ڈال لیا۔ اس کے بعد وہ پے درپے کالی کی چار

پا لیاں حلق سے اتر گئی۔ اب وہ کچھ سوچ کچھ کھتی تھی۔
کالی سے اس کے حلق سے لے کر وجود تک میں کڑواہٹ اتر گئی۔ لیکن نہیں کڑواہٹ تو پہلے سے موجود تھی۔ ہر حال اب وہ کم از کم سوچ تو کھتی تھی۔ اور وہ گزشتہ شام کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ سب کچھ اسے دھندلا دھندلا یاد آ رہا تھا۔ اس نے وزیر خان کو رخصت کیا تھا۔ سعید خان کو بلا کر آتش دان روشن کرنے کو کہا تھا۔ پھر وہ ہاتھ دوم سے آئی تھی تو سعید خان بیگن کو بڑے ذوق و شوق سے دیکھ رہا تھا۔ پھر سعید خان کی وحشت اس کا روکنا آوے۔

اس پر جھجھلاہٹ طاری ہونے لگی۔ یہ شراب بیٹھ کر گڑ بڑ کر دیتی ہے۔ اس نے سوچا۔ لیکن اسے احساس ہو رہا تھا کہ کوئی گڑ بڑ بھی ہے جسے اس کا ذہن گرفت میں نہیں لے پا رہا ہے۔ وہ اسے سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔
جائے کتنی دیر تک وہ جاگتی رہی۔ بالآخر اسے نیند آ گئی۔ اس کے بعد اس کی آنکھ کھلی تو صوب چہرہ چکی تھی۔ اسے یاد آیا کہ وہ جتنے کا دن ہے۔ آج بھی آئے گا۔

○●○
”کیا بات ہے۔ میرے جانے کے بعد تم نے کچھ کام نہیں کیا۔“
وزیر خان نے سعید خان سے پوچھا ”کیا چھٹی کر لی تھی؟“
”نہیں“ چھٹی تو نہیں کی تھی۔ مگر سناں کام بھی نہیں کیا تھا۔ سعید خان نے جواب دیا۔

”تو پھر کیا کرتے رہے؟“ وزیر خان نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

”میم صاب کے کہنے پر رادھہ اور مھر کے کام کرتا رہا تھا۔“
وزیر خان خوب جانتا تھا کہ رادھہ اور مھر کے کام کیا تھے۔ وہ نہ تو دودھ پیتا بچہ تھا۔ نہ ہی بے وقوف تھا۔ وہ کیا نہیں تھا۔ اس نے شنگ دوم کی کھڑکی سے وہ پورا تماشا دیکھا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس نے بڑی مشکل سے خود کو اس محفل میں زبردستی کی شرکت سے روکا تھا۔ اسے میم صاب پر بھی غصہ آ رہا تھا اور سعید خان پر بھی۔ سعید خان خوش قسمت تھا۔ جس چیز کے لیے وہ یعنی وزیر خان مرا جا رہا تھا وہ اس سعید خان کو بہن ماننے مل رہی تھی۔ اور وہ....

”سامان لے آئے ہو؟“ سعید خان نے پوچھا۔
”ہاں۔ لے آیا ہوں۔“

”آج صاب آئے گا۔“
”ہاں۔ لیکن کام ابھی کافی باقی ہے۔“

”ابھی یہ پورا ہو گا بھی نہیں۔ پھر کا دن گزر جائے گا کام ہوتے ہوتے۔ بلکہ مشکل ہی سمجھ لو۔“

دونوں کام میں لگے رہے۔ پھر اچانک وزیر خان نے کہا ”میم صاب نظر نہیں آئی ابھی تک۔“

”سو رہی ہوگی۔ یہ لوگ دیر تک سوتے ہیں“ سعید خان نے بے پروائی سے کہا۔

بارہ بجے کے قریب اسٹیلانے کے لیے جانے لالی ”کیسے ہو تم لوگ؟“ اس نے پوچھا۔ اس نے سعید خان کو دیکھنے سے گریز کیا تھا۔ ”تم سامان لے آئے وزیر خان؟“
”جی میم صاب۔ آج صبح بازار گیا تھا۔ کل تو بازار بند ہو چکا تھا۔“

”پتھر ٹھیک ہے۔“
وزیر خان نے جیب سے چند لاکھ نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔ ”یہ پیسے پیچھے ہیں میم صاب۔“
”یہ تم رکھ لو“ اسٹیلانے بے پروائی سے کہا۔ پھر وہ کالج میں چلی گئی۔

”یہ لوگ دل کے بڑے ہوتے ہیں“ اس کے جانے کے بعد وزیر خان نے کہا۔
”صبر مطلب کے کسی کو کچھ نہیں دیتے“ سعید خان نے شنگ لہجے میں کہا ”بشار رہنا۔“
”میں بہت بشار ہوں۔ تم اپنی فکر کرو“ وزیر خان نے بھی ترکی بہ ترکی کہا۔

اور اسٹیلانے کا ذہن بڑی مدت تک صاف ہو چکا تھا۔ وہ شنگ دوم میں بیٹھی رات کے بارے میں سوچ رہی تھی اور اس کی کچھ میں بہت کچھ آ رہا تھا۔ اس نے ہر قدم پر محفل مندی سے کام لیا تھا۔ مگر اب اسے خیال آ رہا تھا کہ ایک مقام پر وہ چونک گئی تھی۔ اسے سعید خان کی وحشت کے آگے بند نہیں باندھنا چاہیے تھا۔ اس کے بعد وہ بیٹھ کے لیے اس کا غلام ہو جاتا۔ اس نے اسے ہوش میں لا کر اپنے پیروں پر آپ کھڑا کر دیا تھی۔

اب وہ رات کے ہر اس لمحے کو تصور میں دیکھ رہی تھی جس کا اسے ہوش تھا۔ اسے سعید خان کے چہرے کا اس وقت کا اثر یاد آیا جب اس کی تحدید اسے ہوش میں لائی تھی۔ بس اس کے بعد وہ بدل گیا تھا۔ لیکن یہ بات وہ اب کچھ کھتی تھی۔ اس وقت تو سعید خان نے اسے یہ سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ اس نے اندازاً اپنا اعتراض کیا تھا ”جیسے اس کا مطیع ہو چکا ہو۔ پھر اس نے اسے پینے کی ترغیب دی تھی اور اس کے بعد اسے پینے پر اکساتا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی تھی۔ اب سوال یہ تھا کہ کیا سعید خان نے وہ سب کچھ سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ اس کا نتیجی جواب تو اس کے پاس نہیں تھا۔ لیکن امکان یہی تھا کہ ایسا ہی ہوا ہے۔ اس کی صحت بھی یہی بتا رہی تھی۔ اور اگر یہ سچ ہے تو....

اسٹیلانے کو تو بہن کا شدید احساس ہونے لگا۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اس نے اسے ٹھکرایا تھا۔ بے وقوف بنایا تھا۔ اس کے ہندار کو نہیں پہنچی تو وہ غصے سے سمجھنے لگی۔ اسے اس توہین کا بدلہ لینا ہے۔

ان لمحوں میں نہ وہ انگریز رہی ”جو حاکموں میں سے تھے نہ وہ ایک باوقار عورت رہی۔ نہ ہی اسے اپنے مسز جی راجہ سن ہونے کا احساس رہا۔ وہ بس ایک عورت تھی جس کی نسوانی انا کو رادھہ طور پر زخمی کیا گیا تھا۔ بدلہ لینا اس کے لیے مشکل نہیں تھا۔ وہ کچھ

بھی کر رہی تھی۔ وہ اپنے گھر کو زندگی تک سے محروم کر سکتی تھی۔ لیکن اسی لئے اسے یہ احساس بھی ہوا کہ وہ سعید خان کو پسند کرتی ہے اسے حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اور اب اس بات کی اہمیت اور ضرورت تھی۔ اس نے اسے ٹھکرایا تھا۔ اس کی خلاف ورزی صورت ہو سکتی تھی کہ سعید خان اس کے سامنے گڑگڑائے جس کی بجائے اس کے انکسار کی قیادت کا طلب گار ہو۔ اب اسے اسی ایک قسم کے تحت کام کرنا تھا۔

○ ○ ○

نئی برج ذہن آچکا تھا۔ وہ اس بار بھی لوگوں کے کام سے راضی اور مطمئن تھا۔ البتہ اسٹیلہ اسے چپ اور بھی سمجھی لگ رہی تھی۔ اگر اسے لگاؤ تھی تو اسے بھی اسٹیلہ کی بے دردی کی طاقت تھی۔ اور کسی بھی وقت دوبارہ بلا ٹوٹی کی لذت اٹھتی تھی۔

”صاب کی۔۔۔ آپ کو شکار کھیلنے کا شوق نہیں ہے؟“ وزیر خان نے اچانک کہا۔

”ہی ہئی کے چوٹیکر سراٹھایا“ یہاں شکار ہے؟“ ”ہر طرح کا شکار ہے صاب کی۔ لیکن میں تیز کی بات کر رہا ہوں۔ کلا تیز بہت سے اس علاقے میں۔“

”ہی ہئی نے موالیہ نظروں سے سعید خان کو دیکھا۔ سعید خان نے ان بات میں مرہا دیا۔“

”تو کل چلتے ہیں شکار کو۔ من تو ہے میرے پاس۔“ ”ٹھیک ہے صاب کی۔ کل دس بجے ہم آجائیں گے۔“ اس کے روز وہ پوری تیاری کے ساتھ شکار کے لیے روانہ ہوئے۔ وزیر خان رہبری کر رہا تھا۔ اسٹیلہ بھی ساتھ تھی۔ لیکن اس کے انداز سے غم و دلچسپی کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ صرف اس لیے ان کے ساتھ آئی تھی کہ گھر پر اکیلے بور ہونے سے بے بہرہ تھا۔ وہ اس علاقے میں سفر کر رہے تھے جو انہوں نے پہلے بھی نہیں دیکھا تھا۔ یہی حرزہ سا ہو گیا تھا۔ اسٹیلہ بھی اس علاقے کے حسن کو دل ہی دل میں سراہ رہی تھی۔ وہ لوگ کاناچ اور اس کے گرد و پیش تک محدود رہے تھے۔ انہوں نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ یہ علاقہ اس قدر خوب صورت ہے۔

ایک جگہ وزیر خان نے چپ رکوا دی ”اب آگے پیدل کا سفر ہے صاب کی۔ جب ہمیں چھوڑی ہوگی۔“

”لیکن پتا نہیں ہماری واپسی کتنی دیر میں ہو“ میری نے پتہ چل رہے ہیں کہا۔

”آپ چپ کی کلرنگ کریں صاب ہم لوگوں میں ہزار برائیاں ہوں گی۔ لیکن ہم چور نہیں ہیں“ وزیر خان نے فخر سے کہہ دیا۔ وہ پیدل چل دیے۔ کوئی ایک میل چلے ہوں گے کہ اچانک انہیں احساس ہوا کہ وہ جنگل میں ہیں۔ وزیر خان اندر ہی اندر انہیں ہڈائی کے کنارے پر لے آیا۔ اب ان کے سامنے پھاڑی ڈھلوان تھی ”اکیس جنگلوں پر ہوتے ہیں تیزوں کے ٹھکانے“ وزیر

خان نے کہا ”آپ فائر کے لیے تیار ہیں۔“ ”میں کتنے بندہ دیکھ چکی ہے تھوڑے تیز شکار کر چکے تھے۔ جب وہیں موجود تھی جہاں انہوں نے اسے چھوڑا تھا۔“

کانچ پہنچ کر وزیر خان اور سعید خان تیزوں کی صفائی میں مصروف ہو گئے۔ اس کے بعد پکانے کا مرحلہ تھا۔ وہ وزیر خان نے اپنے ڈسٹے لے لیا۔ سعید خان محسوس کر رہا تھا کہ وزیر خان پر اسے دن چھایا رہا ہے۔ درحقیقت وہ وزیر خان کا ہی دن تھا۔ لیکن سعید خان بول مارا نہ دلا نہیں تھا۔ وہ وزیر خان کو خود سے آگے نکلتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ خاص طور پر اس لیے کہ وہ یہاں پہلے آیا تھا اور وزیر خان کو متعارف اس نے ہی کر لیا تھا۔

”صاب کی۔۔۔ کل آپ مصروف تو تھیں؟“ اس نے میری سے پوچھا۔

”نہیں۔ کیا بات ہے؟“

”کل میں آپ کو ایک جگہ لے چلوں گا۔ آپ کی طبیعت خوش ہو جائے گی۔“

”ٹھیک ہے کس وقت چلتا ہے؟“

”دس بجے ٹھیک رہے گا۔“

وزیر خان کان لگا کر ان کی باتیں سن رہا تھا ”یہ تو بتاؤ کہاں چلیں گے؟“

”صاب کی دریا پر چلیں گے۔ چھلیاں پکڑیں گے۔“

”یہی خوش ہو گیا“ ”واہ۔۔۔ چھلی کا تو برا شوق ہے مجھے“ ”میرہ وہ وزیر خان کی طرف سرا“ ”کیوں لڑکے تم بھی چلو گے نا؟“

”کل مجھے ایک کام سے جانا ہے صاب کی ورنہ ضرور چلتا“

وزیر خان نے سوچا سمجھا جواب دیا۔ ان دونوں کی گفتگو کے دوران ہی اس نے ایک جوا کھیلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ہار میں اس کا کوئی نقصان نہیں تھا۔ جیتنے کی صورت میں اسے ایک شاندار موقع ملتا قسمت آزمائی کا۔

ٹھوڑی دیر بعد اس کے دادا کا فیصلہ ہو گیا۔ کھانے کے دوران میری نے اسٹیلہ کو اگلے روز کا پروگرام بتایا ”ان تقریحات کا تو ہمیں خیال بھی نہیں آیا تھا“ اس نے آخر میں کہا ”یہ لڑکے ہم لوگوں کے لیے بہت مبارک ثابت ہوئے ہیں۔“

”لیکن میری“ میں آج بہت تھک گئی ہوں۔ کل نہیں چل سکیں گی۔“

”چلو کوئی بات نہیں۔ میں چلا جاؤں گا۔ اچھا لگا تو اگلی بار ختمیں بھی لے چلیں گے۔“

اس روز گھر واپس جاتے ہوئے سعید خان نے وزیر خان سے پوچھا ”یہ تمہیں کیا کام لگن آیا؟“

”یار اکیس بات ہے۔ مجھے کوئی کام نہیں ہو سکتا“ وزیر خان نے ہنستے ہوئے کہا ”لیکن میں تمہاری پریشانی کی وجہ سے بھی واقف ہوں۔“

”ہونا بھی چاہیے“ سعید خان نے سنجیدگی سے کہا۔

”جئے ۲ نہیں، ہم ڈر جاتے ہوئے کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔“
”مہر بھی نہیں، چاہیے۔ میں اچھے بڑے کی تیر بھی رکھتا ہوں اور مجھے برائی سے بچتا بھی آتا ہے۔“

وزیر خان کی جو بیان پڑھ گئی، مسعود خان میں اچھے بڑے کی تم سے زیادہ تیز دھمکا ہوا اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ جی اٹھا، کہ میں تم سے بڑے کی ایمانیت نہیں دے سکتا۔ تم بس اپنے کام سے کام نہ کھو، تم اپنے فائدے میں مجھے شریک نہیں کر سکتے تو میں شکایت بھی نہیں کرتا۔ لیکن اپنے فائدے کی ضرورت سہجوں گا اور تم سے سود بھی نہیں اٹھوں گا۔“
اس کے بعد تمام راستے دونوں خاموش رہے۔

○●○
وہ مسعود خان کے لیے بے جتنی کی رات تھی۔ وہ ٹیک سے سو بھی نہیں سکا۔ صاب کو دریا پر لے جانے کی پیشکش اس نے خود کی تھی۔ اب وہ پیچھے بھی نہیں ہٹ سکتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وزیر خان اس کے اور جی کے جانے کے بعد کالج شروع کرے گا۔ وہ ہم صاب کے لیے اس کی نظریں دیکھتا رہا تھا۔ وہ وزیر خان کو بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ بدیں میں کسی کے ساتھ چار سال گزار لیے تھے۔ جو تھک چھا نہیں رہتا۔ لاہور میں صرف اس کی وجہ سے وزیر خان گوارا دے رہا تھا۔ یہی بار لوگوں نے انہیں بازار کے جانے کی پیشکش کی تھی۔ لیکن اس نے سختی سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے ایسے ہر سوچ پر وزیر خان کی آنکھوں کو پلٹے بیٹھے دیکھا تھا۔ اس کا لحاظ نہ ہوا تو وہ چاہی گیا ہوا۔

مگر اب معاملہ مختلف تھا۔ ہم صاب کے معاملے میں وزیر خان کو پیسے کا لالچ بھی تھا۔ اور اس معاملے میں کوئی لالچ نہیں چلا تھا۔ مسعود خان کو یہ احساس بھی تھا کہ اس معاملے میں اس سے بے درپے غلطیاں ہوئی ہیں۔ پہلی غلطی تو یہ تھی کہ وہ اسے کالج لے آیا۔ دوسرے اس نے سوچے کہ جو دو اضافی نوٹ حاصل کیے تھے ان میں وزیر خان کا حصہ نہ لگا تا بھی غلطی تھی۔ وزیر خان نے نوٹ دیکھ لے تو آنکھوں میں ایسے ہی فوٹوں کے خواب بھی رہا۔ لے چھپے کی بیعت تھی۔ مسعود خان کو وزیر خان سے کئی حد سے تھ۔ وہ چالاک بھی تھا اور لالچی بھی۔ چالاک آدمی ویسے بھی غلطیاں کرتا ہے۔ اور لالچ تو اسے غلطی کا احساس بھی نہیں ہونے دیتا۔ پھر وہ گرم مزاج اور جلت پڑتا بھی تھا۔ مسعود خان جانتا تھا کہ اب وزیر خان کچھ بھی کر سکتا ہے۔

اگر بات صرف دوستی اور رشتے داری کی ہوتی تو مسعود خان کو کوئی پروا نہیں ہوتی۔ وہ سوچتا کہ اپنا معاملہ وہ جانتے لیکن یہاں مسئلہ بہت بڑا تھا۔ یہ مسعود خان کی یمن کے مستقبل کا سوال تھا۔ مسعود خان یہ بھی جانتا تھا کہ یہ ملک بہت پرانی ہے اور ریشم بھی وزیر خان کو بہت پسند کرتی ہے۔ وزیر خان کی کوئی لغزش ریشم کی زندگی برباد بھی کر سکتی تھی اور یہ مسعود خان کو گوارا نہیں تھا۔

مگر فی الوقت وہ پریشان ہونے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ رات بھر پریشان رہا۔ ٹھیک طرح سے سو بھی نہیں سکا۔ صبح وہ کالج جانے کے لیے نکلا تو جانتے ہوئے وزیر خان کے کمرے میں چلا گیا۔ وہ سوچ ہی نہیں چلا گیا کہ ہر ”وزیر خان کی ماں نے بتایا“ کہ ”میں تمہارا کام سے چاہتا ہوں۔“
”جو سنا اسے کوئی کام ہی ہو۔“ مسعود خان نے دل میں سوچا۔
”جس تکل نہیں ہوتی۔ اس کی پریشانی اپنی جگہ رہی۔“

○●○
جی مسعود خان کے ساتھ چھٹی کے شکار کو چلا گیا تھا۔ اسٹیل اگلی تھی اور کئی دلوں کے بعد اسے تھما کی کاشمیر احساس بھی ہو رہا تھا۔ پہلے وہ اگلی ہوتی تھی تو مسعود خان کا خیال اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس کا تصور آنکھوں میں ہوتا تھا۔ مگر اب اس کے خیال سے تھما کی احساس اور سوا ہو رہا تھا۔ انا کا تو فہم برا ہو گیا تھا۔ اس کے پاس کوئی کام نہیں تھا۔ کوئی مصروفیت نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس لیے اسے ڈپریشن زیادہ ہوتا ہے۔ مگر اب ہر حال اس کے پاس ایک کام تھا۔ اسے مسعود خان کو بھگانے کے بارے میں سوچنا تھا۔ منصوبہ بنانا تھا اور اس پر عمل کرنا تھا۔ مگر میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ گھر میں رہنے میں یہ ذرا بھی تھا کہ وہ دنا شروع کرے گی۔ چنانچہ وہ باہر نکل اور بارش کی طرف چل دی۔ پھل دار درختوں میں پھول آٹکے تھے وہاں سے وہ باغیچے میں چلی آئی۔ وہاں لڑکوں کی منت رینگ لے آئی تھی۔ باغیچہ دیکھا کہ پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ گھاس ڈرا بڑی ہو گئی تھی۔ اسے چھائی کی ضرورت تھی۔

وہ گھاس پر بیٹھ گئی۔ وہ اس وقت بھی مسعود خان کو بھگانے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ لیکن اس نے اسے بار فیصلہ کر لیا تھا کہ اس بچے وہ یہاں نہیں رکے گی۔ بلکہ جی کے ساتھ واپس جائے گی۔ شاید وہاں وہ بہتر طور پر سوچ سکے۔

قدیموں کی آہستہ سے وہ چوگی۔ اس نے سر ہٹا کر دیکھا تو وزیر خان نظر آیا۔ اسے حیرت ہوئی۔ وزیر خان نے اسے دیکھا تو اس کی طرف چلا آیا ”سلام ہم صاب۔“
”تمہیں تو کوئی کام تھا وزیر خان؟“ اسٹیل نے نرم لہجے میں کہا۔

”جی ہم صاب۔ لیکن کام جلدی ہو گیا تو میں نے سوچا“ یہاں کا کام بھی کچھ کم کر لوں۔“
”اچھا ٹھیک ہے۔ جاؤ کام کرو۔“

وزیر خان ذرا تغیر اسٹیل کی طرف چلا گیا۔ جاتے ہی وہ کام پھولوں پر پڑا۔ جیسے کہ تم کہ وقت میں زیادہ سے زیادہ کام کرنا چاہتا ہو۔ اور وہ حقیقت میں اس کا نشانہ بھی تھا۔ کیونکہ کام کے علاوہ بھی اس کے ذہن میں کچھ تھا۔ مصروفیت جاہت کرنے کے لیے کہ وقت میں زیادہ کام کرنا ضروری تھا۔
اسٹیل اپنی سوچوں میں ابھی رہی۔ وہ مسعود خان کو بھگانے کے

بارے میں سوچ رہی تھی۔ لیکن صورتی ہی وہی رہی اس پر ڈپریشن جاری ہوئے لگا۔ اسے کوئی راستہ نکال نہیں آتا رہا تھا اور وہ دہری لنگ میں چل رہی تھی۔ اسے مسعود خان کو پانا بھی تھا اور اسے بھگانا بھی کرنا بھی تھا۔ لیکن کیسے؟

”باغیچے میں بیٹھے بیٹھے اس پر وحشت طاری ہوئے گی۔ وہ اندھ کر کالج میں چلی گئی۔ وہ ڈرا لنگ دوم میں بیٹھی رہی۔ اس کا ڈپریشن بڑھتا گیا۔ بالآخر اس نے پوتی اور جام اٹھالیا۔ کام اس نے اراہہ کر لیا تھا کہ اتنی نہیں پئے گی کہ آؤت ہو جائے۔ وزیر خان آیا تو وہ جو تھا جام لی رہی تھی۔ اس نے چونک کر وزیر خان کو دیکھا۔ ”تمہیں اب بھی نہیں معلوم ہوا کہ وہ آواز نہ کر کے اندر آتا ہے۔“ اس نے نرم لہجے میں کہا۔
”سودی ہم صاب“ آنکھیں خیال رکھوں گا۔“
”تمہیں بات کیا ہے؟“
”میں جانے ہالوں ہم صاب۔“
”ہالوں پر مجھے کی کیا بات ہے؟“
”آپ کے لیے یہی باتوں؟“
”نہیں۔ میں اپنی جائے پہلے ہی پناہی رہی ہوں۔“ وہ سختی سے انہی۔

وزیر خان کچھ نہیں چلا گیا۔ ذرا دیر بعد وہ جائے کی پناہی ہاتھ میں لیے نکلا۔ اسٹیل نے اسے آواز دے لی ”آؤ وزیر خان۔“
”یہ کر چائے پناہی۔“
وزیر خان نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ کالین پر نیم دراز تھی۔ اس کا چروے نوٹی سے جھٹکا رہا تھا۔ گاؤں بے ترتیب ہو رہا تھا۔ وزیر خان کا دل بے ایمان ہوئے لگا۔ وہ کالین پر اس کے سامنے جا بیٹھا۔ اس کے ہاتھوں میں جگہ ہی لرزش تھی۔
”کیا بات ہے۔ مجھ سے ڈرتے ہو؟“ اسٹیل نے بھاری آواز میں پوچھا۔

”جی یہی سمجھ لیں۔ ہمیں ڈرنا بھی چاہیے۔“
”تمہارا دوست تو نہیں ڈرتا۔“
”وہ بے وقت ہے ہم صاب جی۔“

اس وقت اسٹیل کی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔ کچھ نشہ اور کچھ ڈپریشن۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اگر اس نے کسی کے سامنے دل کا پوچھ بگاہ کر لیا تو حیران ہو جائے گی۔ جیسے اندر کوئی دھماکا ہو گا اور وہ پھٹ جائے گی۔ ”تم مجھ سے مت ڈرو وزیر خان“ اس نے التجائیہ لہجے میں کہا۔

”آپ کہتی ہیں تو نہیں ڈروں گا جی“ وزیر خان نے سادگی سے کہا۔
”مجھے اس وقت کسی دوست کی ضرورت ہے۔“
”میں حاضر ہوں ہم صاب جی“ اس باور وزیر خان کے لیے میں اہم تھا۔ اسے خوشی ہو رہی تھی کہ یہ دن رات کانٹا نہیں جا رہا ہے۔

”سیرا دکھ کوئی نہیں سمجھتا۔“ اسٹیل لڑکائی کے ساتھ کہتا تھا۔
”یہ والی۔ اس کی آواز لڑکھاری تھی۔
”میں آپ کا رکھ رکھاؤ کرتا ہوں۔“
اسٹیل نے چونک کر اسے دیکھا۔ ”تمہیں کسے کچھ پتا ہے؟“

اس نے وزیر خان کے چہرے کے پاس انگلی چمکاتے ہوئے کہا۔
”میں سمجھتا ہوں ہم صاب“ وزیر خان نے ہر گوارا دیا۔
”کیا سمجھتے ہو؟“

”آپ کا رکھ رکھاؤ مسعود خان ہے جی۔“
اسٹیل نے اسے آواز دے لی۔ اس نے کچھ کہا جا رہا۔ لیکن اس وقت میں اسے اس ہونٹ تھمرا کر رہ گئے۔
”اور ہم صاب جی“ آپ کے دکھ کا علاج بھی ہے صحت۔
”پاس۔“
”وہ کیسے؟“

”اس وقت تو بات نہیں ہو سکتی۔ صاب کسی بھی وقت واپس آتا ہے۔“
”تمہیں کسے فرحت میں بات کرنا کا شوق ہے۔“
”پھر بھی۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ تم میرے دکھ کا علاج کب کر سکتے ہو؟“

”ایسے۔“ وزیر خان نے کہا اور اچانک ہی اس کا ایک ہاتھ تمام لیا۔ وہ دلا سا دینے والے انداز میں اسے چھوڑا۔
”سٹیل نے لگا۔ اب اس کی اپنی انگلیوں میں لرزش بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اسٹیل تعجب سے اسے دیکھ رہی تھی۔
”پھر اچانک وزیر خان نے اپنا چہرہ بڑھایا اور اسٹیل کے ہاتھ پر دھواں دار چمکائے۔
”یہ تم میرے دکھ کا علاج کر رہے ہو؟“ اسٹیل نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں۔ میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ اس طرح آپ کے دکھ کا علاج ہو سکتا ہے۔“ وزیر خان نے غور سے اسے دیکھا۔
”یہی کچھ میں تمہاری بات مانگ نہیں آ رہی ہے۔“
”اور میں کچھ پتا ہوں کہ میں آپ کو فرحت سے عارف کا۔“
جب کسی کے آنے جانے کا ذکر نہیں ہوگا۔“

”اور میں اتنا سمجھ گئی ہوں کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔“
”جی تو آپ کو پہلے ہی سمجھ ہوا تھا ہے ہم صاب۔ میں نے یہ بات چھپائی تھی اب سمجھ گئی۔ لیکن جہاں تک آپ کے دکھ کا علاج کا تعلق ہے تو وہ میں آپ کو کل بتاؤں گا ایسے وقت جب یہاں کوئی نہیں ہوگا۔“

”لیکن کل میں یہاں نہیں ہوں گی۔ اس بار میں جھٹلا کے ساتھ واپس جا رہی ہوں۔“
”آپ کی مرضی ہم صاب۔ بعد میں بھی کسی وجہ سے ہوں گی۔“
”میں ہر حال کا فائدہ آپ کا منی ہے۔“
اسٹیل کا دماغ ابھی جانے کا ارادہ کر رہا تھا۔ وہ اس کے

جلد سے جلد مل کر رہا تھی حتیٰ "تم ایسے لڑکے ہو وزیر خان" اس نے کہا "لیکن تمہارا اس میں کیا مفاد ہے؟"

"آپ کے دھکے کے علاوہ میں میرے دھکے کا علاج بھی ہے ہم صاحب۔"

اسٹیلہ اس کا مطلب بغیر کسی ایسا م کے سمجھ رہی تھی۔ پھر بھی اس نے پوچھ لیا "تم مجھ پر یہ عزت کیوں کر رہے ہو؟ تم کیا چاہتے ہو مجھ سے؟"

"میں خریدنے کے لئے کچھ رقم" وزیر خان نے بلا جھجک کہا۔ پھر چند لمحوں کے توقف کے بعد بولا "اور۔۔۔ اور آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔"

"مگر پہلے تمہیں ثابت کرنا ہو گا کہ تم صرف لفظوں سے نہیں کہیں رہے ہو۔"

"مجھے یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں" وزیر خان نے بے رخی سے کہا "آپ خود ہی فیصلہ کر لیں کہ میں آپ کے کام آسکتا ہوں یا نہیں۔"

اسٹیلہ کے تنور اور لہجہ سب کچھ بدل گیا "میں جانتی ہوں ڈارنگ کہ تم میرے کام آسکتے ہو۔ لیکن۔۔۔"

وزیر خان نے بھانپ لیا کہ وار کا ماب رہا ہے۔ پھر بھی اسٹیلہ اس نے آزما کر دیکھی "تو پھر یہاں نکلیں" اس نے کہا اور اسٹیلہ کے پیچھے پیچھے کی وضاحت بھی کی۔ وہ اسٹیلہ کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ اسٹیلہ بھی ایکسائیڈ ہو گئی "سنو ڈارنگ۔۔۔ ذرا میرے لئے شراب اٹھالو جام میں۔"

وزیر خان نے جام بھر کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اسٹیلہ نے جام سے پھرنا سا ایک ٹکڑا لیا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا "پلو ٹھیک ہے اگر تم چاہتے ہو تو مجھے پار کرو۔ مگر صرف ایک بار۔ بس اتنی ہی اجازت دے رہی ہوں میں۔"

وزیر خان کو پہلے تو اپنی طاقت پر یقین نہیں آیا۔ پھر اس نے اسٹیلہ کو انہوں میں بھر لیا۔ لمحوں میں اس پر دیوار کی عادی ہوئے لگی۔ اس کے ہاتھ بے قابو ہونے لگے تو اسٹیلہ نے اسے پرے دھکیل دیا "پلیز۔۔۔ بس اب جاؤ اور اپنا کام کرو" وہ بولی "یہی کرتے ہی والا ہو گا۔"

○ ○ ○

یہی رچرڈس اور سعید خان شام چار بجے واپس آئے۔ یہی بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ سعید خان آتے ہی پتھلیوں کی صفائی اور انہیں لڑائی کرنے کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ پہلے یہی کوئی پتا چلا کہ وزیر خان آیا تھا اور کام میں مصروف ہے۔ وہ اسٹیلہ کی طرف چلا گیا۔ وزیر خان نے جتنا کام نہ پایا تھا اسے دیکھ کر یہی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ویسے بھی وہ لوگوں کی محنت اور غلوں کا قائل ہو چکا تھا۔ وہ اسے اپنے ساتھ کالج میں لے آیا "پلو بیٹو۔۔۔ اب چلی گئی" اس نے کہا۔

"سعید خان کہاں ہے؟" وزیر خان نے پوچھا۔

"میں چلی لڑائی کر رہا ہے۔"

"میں اس کا ہاتھ بٹاتا ہوں صاحب۔"

وزیر خان کہیں چلا گیا۔ سعید خان نے ملامت بھری نظروں سے اسے دیکھا "تمہارا کام تو ہو گیا؟" اس نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"اس ہو گیا۔ کیوں نہ ہو تا۔"

"ہمارے جیسے ہی تم سال پہلے آئے ہو گے۔"

"تمہارے جیسے ہی میں" اپنا کام ہوتے ہی میں یہاں چلا آیا۔"

"آپ تو تم نے بہت کام کر لیا ہو گا؟" سعید خان نے طنز سے لہجے میں کہا۔

"خود ہی چل کر دیکھ لیتا" وزیر خان نے بے پروائی سے کہا۔

پانچ بجے چلی جا رہی تھی۔ یہی اور اسٹیلہ نے ساتھ بیٹھ کر چلی گئی۔ وہ بولی بھی رہے تھے سعید خان اور وزیر خان نے انک بیٹھ کر چلی گئی۔ چونکہ یہی واپسی کی تیاری کرنے لگا "اب تم لوگ چھٹی کرو" اس نے روانہ ہوتے وقت ان دونوں سے کہا "اور ہاں۔۔۔ تمہارے خیال میں اسٹیلہ کب عمل ہو جائے گا؟"

"زیادہ سے زیادہ پڑھوں تک" وزیر خان نے جواب دیا۔

"تو اسٹیلہ عمل ہوتے ہی تم دونوں ایٹ آباد میرے پاس آجائے" یہی نے کہا "وہاں سے دونوں کھڑوں کو لے آئے۔"

"یہی بہت صاحب۔"

"پھر ہم صاحب کو گھر سواری سکھائی ہو گی۔"

"آپ بے فکر رہیں صاحب۔"

"اور ہاں" تم دونوں ہم صاحب کا خیال رکھنا۔"

"آپ فکر نہ کریں صاحب۔" اس بار دونوں نے بیک آواز جواب دیا۔

یہی کے ساتھ ہی وہ کانچ سے لکل آئے۔ یہی کو رخصت کرنے کے بعد سعید خان اپنی سائیکل کی طرف گیا۔ وہ باہر جانے کے لئے سائیکل سواری رہا تھا کہ وزیر خان نے اسے نوک دیا "چل کر یہ دو کچھ لو کہ کام کہاں تک پہنچ گیا ہے۔"

سعید خان نے سائیکل کو اسٹینڈ پر کھڑا کیا اور وزیر خان کے ساتھ ڈر تھیر اسٹیلہ کی طرف چلا گیا۔ کام دیکھ کر اسے حیرت بھی ہوئی اور کھینچائی بھی۔ وزیر خان نے تقریباً اتنا ہی کام کیا تھا جتنا پورے دن میں کیا جا سکتا ہے "وہاں یا۔۔۔ تم نے تو بہت کام کیا ہے؟" اس نے ستائشی لہجے میں کہا۔

"شکر ہے۔ ورنہ تم تو مایہ کیا سمجھ رہے تھے۔"

سعید خان نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ وہ بھی جانتا تھا اور وزیر خان کو بھی معلوم تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے اور یہ بھی نہیں تھا کہ وہ غلط سوچ رہا ہو۔ البتہ وہ یہ خواہش ضرور کر رہا تھا کہ کاش اس کی سوچ غلط ہو "تو یاد رکھو چلیں" اس نے کمری سالن لے کر کہا "باقی باتیں راستے میں کریں گے۔"

دونوں دوست کمری طرف چل دیے۔ اس بار وہ سائیکل پر نہیں چل رہے تھے۔ ذرا دیر غاموشی رہی۔ پھر سعید خان نے کہا "وزیر خان! میں چاہتا ہوں کہ اس نوکری میں ہم اپنا اصل مقصد سامنے رکھیں اور کسی چکر میں نہ پڑیں۔ یہ انگریز بڑے چالاک اور مصلحتی ہوتے ہیں۔"

"یہ میں بھی جانتا ہوں" وزیر خان نے کہا "لیکن یہ لوگ ایسے نہیں نکلتے۔"

"صاحب تو اچھا ہی لگتا ہے۔ لیکن ہم بڑی دیکھ رہے۔"

"مجھے تو نہیں لگتا۔"

"تمہارا واسطہ ہی کہاں پڑا ہے اس سے۔ میں جانتا ہوں اور نہیں بتا رہا ہوں۔"

وزیر خان دل ہی دل میں ہنس دیا۔ وہ سعید خان کی بات کی تعریفی طور پر تردید کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ ہمیشہ میں خود وہ بات نہیں آتی تھی "خود اب اسے سمجھانے جا رہا تھا۔ اس کا مطلب تو یہ تھا کہ انگریز دیکھ رہے ہیں۔ ہم وہی لوگ اپنے مطلب اپنے مفاد کے لئے انہیں منگاری سکھاتے ہیں "یا راجی" سچ یہ ہے کہ مجھے تو اس میں کوئی منگاری نظر نہیں آتی" اس نے کہا "ورنہ تم اسے بے وقوف بنا کر اپنا کوسے سیدھا کرتے۔"

"یا راجی" تم غلط سمجھ رہے ہو مجھے وہ ہمہ گیر ہے "سعید خان نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"مگر اس سے اس کی منگاری تو ثابت نہیں ہوتی۔ اس سے زیادہ منگاری تو میں ہوں۔"

"کچھ بھی سمجھی۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ تم بھی اپنا کوسیدھا کرو۔ بس اس کے قریب ہی نہ آؤ۔"

"یا راجی" تم یہی اتنی فکر کیوں کرتے ہو؟" وزیر خان نے چکر کہا۔

"تم جانتے ہو کہ کیوں کرتا ہوں۔"

اس کے بعد تمام راستے غاموشی رہی۔ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں ڈوبے رہے۔

○ ○ ○

اسٹیلہ رچرڈس سواری تھی۔ وہ شاید خواب دیکھ رہی تھی۔ وہ کانچ میں تھی اور کوئی دروازہ نہ دیکھ رہا تھا۔ دستک زیادہ زور کی نہیں تھی۔ لیکن اتنی دھیمی بھی نہیں تھی کہ وہ اسے سن نہ پاتی۔ وہ دروازہ کھولنے کے لئے اٹھنا چاہتی تھی۔ لیکن اس سے اٹھنا نہیں جا رہا تھا۔

پھر دستک کی آواز تیز ہو گئی۔ جیسے آئے والا دروازہ نہ کھلے پے مابوس ہوا ہو۔ مگر واپس بھی نہیں جانا چاہ رہا۔ اسٹیلہ کسمکائی رہی۔ پھر اس کی آنکھ کھل گئی۔ چنٹے وہ دیکھ رہی تھی۔ پھر اسے احساس ہوا کہ دستک خواب میں نہیں "واقعہاً ہو رہی ہے۔ اس احساس کے ساتھ ہی وہ کچھ خوف زدہ ہو گئی۔ اس نے روشنی کی اور پھر گھڑی میں وقت دیکھا۔ ساڑھے دس بج چکے تھے اتنی رات کو

"مگر لیان تھا کہ میں بہت خوب صورت ہوا کرتا تھا۔ میرے بال کچھ روشنی اور چمکے تھے۔ یہی جلد ریشم کی طرح ملائم اور گلاب کی طرح سرخی مائل تھی۔ میرے ہونٹ گلابی تھے۔ آنکھیں چمکیلی اور شگلاہ جیسے۔ انکس کہ اس وقت میں صرف چار سال کا تھا۔"

○ ○ ○

کون آسکتا ہے؟ ہمیں یہی تو نہیں دانیں گئیں۔ وہ اچھی اور اس نے کانٹن کہن لیا۔ پھر اس نے ذرا زبیں سے پستول نکال کر ہاتھ میں لیا اور نیچے چلی آئی "کانٹن ہے؟" اس نے دروازے پر کھڑے ہو کر پوچھا "میں ہوں ہم صاحب۔"

اسٹیلہ کا دل دھڑکنے لگا۔ سعید خان نے "میں نے نام پوچھا ہے تمہارا؟" اس نے بے رخی سے کہا۔

"میں وزیر خان ہوں ہم صاحب۔"

"اتنی رات کو کیوں آئے ہو؟"

"آپ کے دھکے کا علاج کرنے۔"

"یہ کیا کہو اس سے؟" اسٹیلہ بولا۔

جھپٹ۔ "حالا کہ۔ آپ اسی کے لئے آئے ہیں ورنہ تو آپ واپس جا رہی تھیں۔"

اسٹیلہ کے سینہ میں ڈوبے ہوئے ذہن کو اس بات سے جھٹکا سا لگا۔ اسے وہ پوری بات یاد آ گئی۔ وزیر خان کا کہا ہوا ایک ایک نقطہ یاد آ گیا "لیکن یہ کون سا وقت ہے آئے گا؟" اس نے پھر سے کہا "کل دن میں بات کریں گے۔"

"کل تو سعید خان بھی موجود ہو گا نیم صاحب۔"

"میں اسے نہیں بھیج دوں گی۔ کسی کام سے۔"

"پھر بھی اس کے آنے کا دھڑکاؤ تو کر رہے گا۔"

"کچھ بھی ہو" اس وقت تو جیسے واپس جانا ہو گا۔ میں دروازہ نہیں کھولوں گی۔"

"ہم صاحب۔" وزیر خان گڑگڑانے لگا۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔"

"ٹھیک ہے ہم صاحب۔ پھر آپ بھولی جائیں کہ میں نے آپ سے کچھ کہا تھا۔ اس میں صرف میرا نہیں" آپ کا فائدہ بھی ہے۔ بلکہ آپ کا زیادہ فائدہ ہے۔"

اسٹیلہ سوچیں پڑ گئی۔ اسے یاد آ گیا کہ سعید خان نے اس کی نسوانی انگوٹھیں پہنائی ہے "اس کی توہین کی ہے۔ مگر پھر بھی وہ اس کے دل سے نہیں اترتا ہے۔ اس سلسلے میں کچھ کرنا ہے۔ اگر یہ وزیر خان اس سلسلے میں کچھ کر سکتا ہے تو اس سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہئے۔

"میں جاؤں ہم صاحب۔؟"

اسٹیلہ نے دودھ کھول دیا۔ پتھل والا آٹھ اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ چلو آجاز! اس نے کہا میں تمہیں چھ دن متھ تو ہے غلامی کرلو۔

اس نے جیسے یہ نہیں سمجھا۔ یہ تو اس کی بات ہے۔ وہ نے کہا۔

اس نے کہا۔ چلو آجاز! اسٹیلہ نے اسے دانی سے کہا۔

وزیر خان غلامی دیر سوچتا رہا۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ غلامی کا راستہ ہی مناسب ہے گا۔ وہ اندر چلا آیا۔ اسٹیلہ اسے ڈراؤنگ دھم میں لے گئی۔ اس نے لاشٹ آن کی اور وزیر خان کو تالین پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ خود جا کر بولے اور جام غلامی لایا۔ اس نے کہا۔ کیا بات ہے؟ اس نے اپنے لئے جام پائے ہوئے کہا۔

بات تو یہی ہے کہ صاحب آپ سعید خان کو اپنے اشاروں پر بچانا چاہتی ہیں نا؟

اسٹیلہ چہرے پر ہنسی لائی۔ اسے احساس تھا کہ سعید خان اور وزیر خان ہم قوم، ہم وطن ہیں۔ انہیں میں رشتہ دار بھی ہیں۔ اور وہ ان کے لئے ہر اقتدار سے خیر ہے۔ تو کیا ان میں سے کوئی اس کے لئے وزیر کے خلاف ہو سکتا ہے۔ عقلی طور پر تو یہ ممکن نہیں تھا۔ لیکن میری نے جو کچھ بتایا تھا اس کے مطابق یہاں انگریزوں کی حکومت سیستانی لوگوں کے تعاون سے چل رہی تھی۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ وہ میرے کانٹے کاٹنے کو تیار ہو جائے تھے۔ اور اس سامنے میں تو وزیر خان یہ بھی بتا چکا تھا کہ اس کا اپنا خدا کیا ہے۔ چنانچہ اسٹیلہ نے غلامی سیوچ جہاز کے بعد کہا۔ تم جانتے تو ہو کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ اب کام کی بات کرو۔

میرے ذہن نے آپ سعید خان کو اپنا غلام بنا سکتی ہیں وزیر خان نے کہا۔

مجھے سے صاف صاف بات کرو۔

آپ جانتی ہیں میرے اور سعید خان کے درمیان کیا رشتہ ہے؟

ہاں۔ تم لوگ کرن ہو نا۔

بات صرف اتنی سی نہیں۔ اس کی بہن سے میری شادی ہوئے والی ہے۔ وزیر خان نے بتایا۔

وہ۔ تم نے بتایا تو تھا۔ لیکن مجھے یہ بات یاد نہیں رہی تھی۔

آپ شاید اس کی اہمیت کو نہیں سمجھتیں۔

اچانک اسٹیلہ کی سمجھ میں سب کچھ آ گیا۔ وہ جان گئی کہ وزیر خان اسے کیا آفر کر رہا ہے اور اس کا طریقہ کار کیا ہو گا۔ وزیر خان کو کیا چاہیے۔ یہ وہ پہلے ہی بتا چکا تھا۔ اسٹیلہ جانتی تھی کہ وہ سوسے پانزی کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی وہ کوشش تو کر سکتی تھی۔ اس نے کہا۔ ڈرا پھر ہر آدمی کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو اس کے عوض۔

میں خریدنے کے لئے کہہ رہی تھی کہ تم اور آپ کی قوت۔

وہ کہہ رہی تھی۔ اسٹیلہ نے جام خالی کیا اور اسے دیا۔ وہ میری طرح تو میں نہیں دے سکتی ہوں۔ لیکن دوسری شراعتیہ کوئی نہیں۔ وہ کہنے لگی۔ پھر اس نے وضاحت کی۔ دیکھو نا یہ تو دل کا سودا ہونا ہے۔ کوئی مسلمان تجارت تو نہیں۔ وہ وزیر خان کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے مایوسی برآمد کر اس نے اسے دلا مار دیا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اس کے ہاتھ سے گل جائے۔ اس پر ناگھن بھی نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ ان ساتھ رہو تو تم مجھے اچھے لگے۔ اب مجھے ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ تمہارے ذہن میں کیا ہے۔ میں اس نے وزیر خان کو امرا کر کے سے بھی روک دیا۔

وزیر خان نے ایک غصہ کی سانس لے کر کہا۔ مجھے آپ کے قریب اور قریب سے ہے۔ تلفظ دیکھنے سے بچنے کے لئے سعید خان کچھ بھی کر سکتا ہے۔ وہ آپ کے قدموں میں آکرے گا۔

نہایت بات تو سمجھ میں آئی ہے۔ اسٹیلہ نے سر ہلا کر کہا۔ لیکن وہ کچھ اور بھی ذکر کر سکتا ہے۔ میں نے سنا ہے تم لوگ غلامی ہوئے ہو۔

وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ وزیر خان نے بڑے یقین سے کہا۔

آپ کے خیال میں کیا کر سکتا ہے وہ؟

وہ میری اتھارٹی جان بھی تو لے سکتا ہے۔

آپ کے بارے میں وہ ایسا اس نے نہیں سوچ سکتا کہ آپ لوگ حاکم ہیں۔ اور میرے بارے میں اس لئے کہ میں اس کا بیٹا ہوں۔ اس کے سامنے اس کے سوا کوئی اور راستہ ہی نہیں کہ وہ آپ کے سامنے سر جھکا دے۔

اور جو وہ تم سے یہ رشتہ ختم کر لے؟ اسٹیلہ نے پُر خیال لہجے میں کہا۔

ایسا نہیں ہو گا۔ میں خوب جانتا ہوں اسے۔

اسٹیلہ نے دوسرا جام خالی کیا اور آٹھ کھڑی ہوئی۔ تم نہیں روکو۔ میں ابھی آئی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اوپر اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ وہاں سے آئی تو اس کے ہاتھ میں سوا کا ایک نوٹ تھا۔ وہ نوٹ اس نے وزیر خان کی طرف پھرایا۔ یہ تو اور اب تم جاؤ۔

اس نے؟

بہت زیادہ امید نہ رکھنا مجھ سے۔ میں اپنا کام کسی اور طرح بھی نکال سکتی ہوں۔

میرا اشارہ رقم کی طرف نہیں تھا۔ میں نے کچھ اور بھی طلب کیا ہے آپ سے۔

اوہ۔ اور میں نے اس کا جواب بھی تمہیں دے دیا تھا۔ ابھی تو نہیں۔ ہاں۔ ممکن ہے بعد میں۔

وزیر خان چند لمحوں کے لئے اسٹیلہ کی نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ہاتھ میں موجود نوٹ دیکھا۔ ٹھیک ہے کہ ہم صاحب میں انکار کر لیں گا۔ لیکن میں بتاؤں کہ اس کے بغیر بات بہت ہی بھی

نہیں۔ دیکھیں گے۔ اب تم جاؤ۔

اسٹیلہ نے وزیر خان کے ذہن میں سے کام میں گئے۔ سب اسٹیلہ نے بھی ان میں کوئی دیکھی نہیں۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اب کام کرنے کے لئے غریب ہیں۔ اور وہاں بھی۔ رات کو وہ گھر واپس گئے تو اسٹیلہ مکمل ہو چکا تھا۔

مکمل ہم بھوسا چار لائیں گے۔ وزیر خان نے اسٹیلہ سے کہا۔

اور پھر گھوڑے لانے کے لئے ایٹ آباد چلے جائیں گے۔

جو جاو کرو۔ یہ تمہارا دور ہے۔ اسٹیلہ نے بے ذرازی سے کہا۔

چاہا تو کوئی بات نہیں تھی۔ لیکن سعید خان محسوس کر رہا تھا کہ کوئی تبدیلی ہوئی ہے۔ کوئی گڑبڑ ہے۔ وزیر خان کا انداز بدل چلا تھا۔ اس نے سیم سے جتنی بار بھی بات کی تھی اس کے لہجے اور انداز میں بے پناہ اعتماد تھا۔ یہی نہیں اس کی نگاہوں میں بھی بے باکی تھی۔ اور سیم کا انداز نہ اتنا تھا۔ سعید خان تمام وقت کچھ سوچ رہا کہ کس ان دونوں کے درمیان کچھ طے تو نہیں پا گیا ہے۔ اگلے دو دن انہوں نے اسٹیلہ کو ہر اعتبار سے غفل کر لیا۔

وہ اپنے پانی کا بھی بندوبست ہو گیا۔ پھر وہ ایٹ آباد کے لئے روانہ ہو گئے۔ وہاں انہیں صاحب سے ملنا اور گھوڑوں کو لے کر کراچی واپس آنا تھا۔ وہ مشکل کا دن تھا۔

وہ سہ پہر کے وقت ایٹ آباد پہنچے اور جیڑی ریزوں سے ملے۔ جیڑی نے انہیں ان کے کام کی اجرت بھی دی اور دونوں گھوڑے ان کے خوالے کر دیے۔ گھوڑے سدھے ہوئے تھے۔ لہذا انہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ واپسی کے سفر میں سعید خان بہت خوش تھا۔ اب وہ زمین کا خواب پورا کر سکتا تھا۔

وہ گھوڑے لے کر کراچی پہنچے تو سورج غروب ہونے والا تھا۔ سعید خان کو گھر جانے کی بے آبی تھی۔ گھوڑوں کو اسٹیلہ میں پہنچاتے ہی اس نے کہا۔ وزیر خان اب گھر چلیں؟

وزیر خان نے حیرت سے اسے دیکھا۔ گھر چلنے میں تھوڑی دیر لگے گی یا را۔ گھوڑوں کی تمام ضرورتیں پوری کر دیں۔ گھوڑوں کو ذرا مالوس ہونے کا وقت مل جائے۔

یہ تمہارا دور ہے۔ میں تو چلا یا را۔

وزیر خان کو حیرت ہونے لگی۔ سعید خان یوں اسے اکیلا چھوڑ کر چلا جائے!

میں چلتا ہوں۔ تم آتے رہنا۔

وزیر خان چند لمحوں کے لئے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اپنے کام میں لگ گیا۔

اس روز گھر جاتے ہوئے سعید خان کے باؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ اب اس کے پاس اتنی رقم جمع ہو چکی تھی کہ وہ بہت کالی زمین خرید سکتا تھا۔ وہ یہ فیصلہ کر کے چلا تھا کہ آج پوری رقم بابا کے

ہاتھ پر رکھ دے گا۔ کہہ رہی تھی۔

اسٹیلہ نے اس کا کام لیا۔ وہ اس کے لئے ایک مکان بنوا رہی تھی۔

بارے میں سوچ رہا تھا۔

اور اسٹیلہ ایک مشین سے لاپرواہ تھی۔ وہ اپنے گھر پر آجند تھا کہ اب وہ وزیر خان سے کڑوا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ سے خان پر پہلی ضرب لگنے کی اور بعد ہی سعید خان اس کے دوسرے میں ہو گا۔ اپنی خوشی میں وہ ان دونوں کی تیرہویں کی تھی۔

کر سکتا ہے۔ وزیر خان کی تھوڑی دیر بعد رخصت ہو گئی تھا۔

ان دونوں کے درمیان جس طرح بددلی تھی۔ اسٹیلہ کا کام وزیر خان کے لئے تھا۔ اب اس کے لئے جو خان کو کیا تھا۔ یہ احساس سعید خان کو ذرا دل میں ہوا کہ وزیر خان کی ایک اور ڈیوٹی بھی ہے۔ سیم صاحب کو گھر واپس لے کر آنا۔ اور اس میں سیم کے دل سے خوش ہو آقا اور لکھنا آقا تھا۔ سعید خان کے لئے یہ بات تشویش ناک تھی۔ سعید خان پریشان تھا۔ لیکن وہ سنا تھا کہ ابھی صورت حال جتنی خراب ہے۔ تیرے جاکر اس سے کہیں غراب ہوگی۔ اس کا اندازہ اسے پہلے ہی دل ہو گیا تھا۔ اس روز وزیر خان سیم کے لئے گھر ڈال ڈال کر لایا تھا۔ پہلے تو سیم کو بگڑتا رہا۔ سیم صاحب پہلا مرحلہ گھوڑے کو قوت مالوس کرنے کا ہوا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ یہ صرف محبت سے ممکن ہے۔ سرخس سے سرخس گھوڑے کو بھی رام یا مالوس کر لیں۔ یہ سوتے ہوئے گھوڑے ہیں۔ مسئلہ نہیں نہیں گے۔ آپ اسے چکار دیں۔ اس کی گردن سلاٹیں پہنچا دیں۔ اس نے تھوڑی دیر میں آپ سے رشتہ جوڑ لے گا۔ آپ کا غلام ہو جائے گا۔

یہ ٹھیکہ سننے ہوئے سعید خان پر جب انعام وزیر خان کے لیے میں عجیب سی لگاوت تھی۔ لگتا تھا گھوڑے کے متعلق نہیں وہ اپنے بارے میں کہہ رہا ہے۔ سعید خان نے اسٹیلہ کی طرف دیکھا۔ وہ اس کے بہت قریب نہیں تھی۔ پھر بھی اس کے چہرے پر بھی سی تشویش واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔ ایسے میں سعید خان کا پریشان ہو جانا فطری تھا۔ وہ پریشان بھی دوسری والی تھی۔ وزیر خان کے لیے اور اندازہ اس کے خدشے کی تصدیق کر دی تھی کہ وہ اسٹیلہ کے چکر میں ہے۔ دوسری طرف اسٹیلہ کے لئے وزیر خان کو نواز دینا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔

اب آپ اسے چکار دیں۔ یہاں سے اس کی گردن اور کر سلاٹیں۔ وزیر خان کہہ رہا تھا۔

اسٹیلہ نے ہنسی سے ہاتھ پھرایا اور گھوڑے کی گردن سلاٹ لگی۔ ساتھ ہی وہ اسے چکار بھی رہی تھی۔ گھوڑا کچھ دیر سر جھٹکے گا۔ را۔ پھر دیر سے دیر سے ہنسنے لگا۔ جیسے شکاری کا انکار کر رہا ہو۔ دیکھیں۔ اتنی سی دیر میں کیسے مالوس ہو گیا ہے؟

وزیر خان نے کہا۔

اسٹیلہ خوش بھی نظر آ رہی تھی اور حیران بھی۔ وہ اب بھی

مگر دے کو سلا اور چکارہ دے تھی۔

"اب آپ کو دے پر سوار ہوں وزیر خان کے پاس۔"

"کیسے؟"

"یہ سہاواں دیکھیں اور سنیں۔"

اسٹیلہ بھی دیکھ رہی تھی۔ وہ طرف دہ بھی تھی۔ وزیر خان نے اسے ملٹی نظر پر کر کے دکھایا۔ لیکن میں گرجاؤں کی اسٹیلہ نے کہا۔

"میں آپ کو سہاوانے کے لئے کھڑا ہوں۔ میں کرتے نہیں ہوں گا آپ کو۔"

اسٹیلہ نے پاؤں بٹھا کر رکھا۔ لیکن توڑ کر نہ گیا۔ وزیر خان نے پھر سے اس کی کمرھائی اور سارا رستہ کرتے گئے کہ گھر دے پر سوار کر دیا۔ وہ دیکھ کر سعید خان کو وحشت ہو گئی کہ وزیر خان کا اتنے خطرناک بندہ کس نیم صاحب کی کمر سے ہے۔

گھر دے کی گام وزیر خان کے ہاتھ میں تھی اور اسٹیلہ رچڑھن گھر دے کی چوڑی پٹی تھی۔ وزیر خان ڈھالی طور پر اسے سمجھا رہا تھا کہ گھر دے کو کس طرح کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ "میں تم گام سے چھوڑوں گا" اسٹیلہ گھبرائے ہوئے لیے جس میں کہہ رہی تھی۔

"آپ نے گھر میں نیم صاحب۔"

وہ گھر دے کی گام پکڑے چل رہا تھا۔

دو تین دن میں نیم صاحب میں اتنا اندازہ تھا کہ اب وزیر خان کے لئے گام پکڑنا ضروری نہیں تھا۔ لیکن وہ کبھی دو نہیں جانتے تھے۔ یہ حال بٹھا کچھ بھی تھا۔ سعید خان کے لئے تو وہ بھی سواہاں درج کر گیا تھا۔ وہ اس کو کہتا تھا۔ اب وہ وزیر خان کو یہاں لایا تھا۔ اس روز وزیر خان نے اسٹیلہ سے کہا "اب تو آپ دوڑ چلی گئی ہیں۔ اب میں آپ کو ایسی ایسی جگہیں دکھاؤں گا کہ آپ خوش ہو جائیں گی۔"

"میں ابھی نہیں۔ ابھی میں دور نہیں جاسکتی۔ ایسا کہہ کر توجہ تم میرے ساتھ شیخو اور گھر دے اور ڈاکو گھماؤ۔"

پہلے میں گام کرتے ہوئے سعید خان نے منہ پھیر لیا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ منظر اس کے لئے ناقابل برداشت ہوگا۔ گھر دے کی دور جاتی گاؤں کی آواز میں گراس نے سرگھما کر دیکھا۔ وہ دونوں ایک ہی معلوم دور پہنچے۔ سعید خان نے گھر دے کی ایک طرف دیکھی اور کسی گھر میں سوچا جس ڈوب گیا۔

وہ جانتا تھا کہ اب وزیر خان سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی جاسکتی۔ نہ سارا۔ نہ تک ممکن تھا اس سے زیادہ وہ اسے پہلے ہی سمجھا چکا تھا۔ اب قیامت بالکل ہی گڑبائی۔ اور یہ اسے گوارا نہیں تھا۔ اس وقت تک بھی اس کے درمیان اتنا کھٹا پیدا ہو چکا تھا کہ وہ ایک دوسرے سے بات نہ کر سکتے تھے۔

وہ سعید خان کے لئے ایک سخت دن ثابت ہوا تھا۔ لیکن اس کا انجام بے حد خوش گوار تھا۔ اس روز وہ گھر پہنچا وہاں اسے خوش خبری ملنی۔ وہ زمین داروں پہنچے تھے۔

○●○

اسٹیلہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ تھک کر کارگر ثابت ہو رہی ہے۔ آج کے آج اور محفلوں کے دام والی بات تھی۔ ایک طرف تو رانڈیک سیکھنا چاہتے ہوئے تھا۔ دوسری طرف وہ سعید خان کے درمیان پر بھی نظر رکھے ہوئے تھی۔ اور وہ بے حد حوصلہ افزا تھا۔ اب تک وہ صرف اندھڑی کرتی رہی تھی۔ مگر اب اسے بات کر آئے پر بھانپا تھا۔ وہ دست دھاری سے بڑھنے والے معاملات پر اکتفا نہیں کر سکتی تھی۔ اب اسے جو قدم بھی آگے بڑھانا تھا سوچ سمجھ کر بڑھانا تھا۔

اسی دوران اس نے سعید خان کو نظر انداز کرنے کی عادت ڈال لی تھی۔ وہ اس سے صرف اس وقت بات کرتی جب ضروری ہو۔ سعید خان پر اس کا رد عمل یہ ہوا تھا کہ وہ اپنے آپ میں عتس کیا تھا۔ اس کے سوا اس پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا۔ اس بات سے اسٹیلہ کو خوشی ہوئی تھی۔ اس کا یہ اندازہ درست ثابت ہوا تھا کہ سعید خان آگے سے باہر ہونے والا آ رہی تھیں۔ وہ اپنی اوقات جانتا ہے۔ جب کہ اس کے برعکس وزیر خان کم حریف آ رہا تھا۔ وہ ایسا شخص تھا جسے انگلی پکڑنے کا موقع مل جائے تو وہ پنچا پکڑے۔ مگر سعید خان ایسا نہیں تھا۔ ہاں وزیر خان کو اس کے قریب دیکھ کر کہہ سکتے تھے۔ بلکہ اسے وزیر خان کے قریب دیکھ کر اس کے توجہ دل جاتے تھے۔ ایسے موقعوں پر اسٹیلہ سعید خان کو بہت دور سے دیکھتی رہی تھی۔ وزیر خان جب اسے کرتے تمام کو گھر دے پر بٹھا کر تو سعید خان منہ پھیر لیتا۔ اور جب وہ گھر دے پر اس کے ساتھ بیٹھا تھا تو گنگا تھا کہ سعید خان پر قیامت گزر گئی ہے۔

لیکن اسٹیلہ رچڑھن کے لئے یہ بات بھی آگ دکھانے والی تھی۔ اس لئے کہ یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ سعید خان کو اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس کے نظر انداز کرنے کو اس نے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ اور تو وہ اس کی اور وزیر خان کی قہمت سے چڑا تھا تو اس کی وجہ بھی رقابت نہیں تھی۔ رقابت ہوئی تو وہ اسٹیلہ کے لئے باعث طرہایت ہوئی۔ سعید خان اس بات سے صرف اس لئے چڑا تھا کہ وزیر خان اس کی بہن کا مخیر تھا۔ یہ بات اسٹیلہ کو اور توڑیں کا احساس دل رہی تھی۔ اسٹیلہ کا قصہ اور عجیب ہو گیا تھا۔ توہن کا دلہنے کی خواہش اور شہر ہو گئی تھی۔ ہر کیف اب اسٹیلہ نے بات آگے بڑھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اگلے روز اس نے لباس کے سلسلے میں خاص اہتمام کیا۔ وہ لباس دراصل بے لباسی کا اہتمام تھا۔ گیارہ بجے اس نے وزیر خان کے ساتھ رانڈیک کی۔ پھر وہ وزیر خان کو اپنے ساتھ کانچ میں لے گئی۔ وہ جانتی تھی کہ سعید خان اس وقت نگراں کانٹے کے لئے گیا ہوا ہے۔ اس نے وزیر خان کو کالین پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کالین پر پہلے ہوائے کا تھڑا شہر اس سے پہلے ہی سے رکھا ہوا تھا۔ وزیر خان رسالے کو لپکاؤں ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ لیکن اس کی ہاتھ بڑھانے کی ہمت نہیں ہوئی۔

"تم یہاں بیٹھو۔ میں کچھ سے تبدیل کر لوں۔ پھر تمہارے لئے جائے گا۔" سعید خان آجائے تو اسے بھی بٹھا لیا۔ اس نے وزیر خان سے کہا اور اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہاں اس نے گھر سوار کی کالین لپکا کر اپنا تحفہ کر کے گاؤں پر لپکا۔ مگر فوراً ہی بچے آئے کی بجائے گھر کی گنگا کر گھر کی ہو گئی۔

کوئی چندہ منٹ بعد اسے سعید خان کدھرے پر نگراں کا حضور کا لادے آنا دکھائی دیا۔ وہ مسکرائی اور گھر کی سے بٹھ گئی۔ بچے کا منظر وہ حضور میں دیکھ سکتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وزیر خان نے اس کے اوپر آتے ہی بچے بوائے اٹھالیا ہوگا اور اس سے لطف اندوز ہو رہا ہوگا۔ ایسے میں اسے سعید خان کے آنے کا چاہ بھی نہیں چلے گا۔ اور سعید خان خود اس مرحلے سے گزر چکا تھا۔ اسے بہت کچھ یاد آجائے گا۔ اسے تو وہ رسالہ خاص طور پر دیا گیا تھا۔ اور اس کے نتیجے میں کچھ ہوا تھا وہ بھی اس کی نظروں میں پھر جائے گا۔ پھر تو وہ وزیر خان سے جھگڑے کا انداز ہی اندر چلے اور جھلے گا۔ دونوں صورتوں میں لوہا گرم ہی ہوگا۔ سعید خان یک سجے گا کہ وہ اسے بھی اسی طرح بھاری ہے۔

اسٹیلہ نے انہیں باہج منٹ کا وقت دیا۔ وہ کمرے سے نکلی اور بچے چل دی۔ ابھی اسے کمرے کو اور گھر کرنا تھا۔

بچے کمرے کا منظر اس کی توقع کے عین مطابق تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے کشیدگی کا احساس ہو گیا۔ ان دونوں کے چہروں پر کھینچا ہوا مسکراہٹ تھی۔ لیکن وہ یقین سے کہہ سکتی تھی کہ ان کے درمیان کھینچا بالکل نہیں ہوئی ہے۔ رسالہ ایک طرف پڑا تھا اور وہ اس جگہ نہیں تھا جہاں اس نے اسے چھوڑا تھا۔ رسالہ جیسے کھرا ہوا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وزیر خان نے گھبراہٹ میں اسے بیچنا چاہا ہوگا۔

اس نے دونوں لوگوں کو دیکھا۔ وزیر خان نظریں جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر شرمندگی تھی۔ سعید خان کا چہرہ جھٹکا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی شرم تھی۔ لگتا تھا وہ اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہے۔ "میں گھڑیاں کاٹ لایا ہوں نیم صاحب۔"

اس نے کہا۔ اس کی آواز میں بھی سی لرزش تھی۔

"شکر ہے سعید خان۔"

"اب میں جاؤں گا؟"

"میں نے چاہے کے لئے روکا تھا تمہیں۔"

"دل نہیں چاہ رہا ہے چائے کا۔"

"چلو ٹھیک ہے" اسٹیلہ نے کہا۔ وہ اٹھ کر جانے لگا تو اسٹیلہ نے اسے پکارا۔ "سو سعید خان۔"

سعید خان نے لپٹ کر اسے دیکھا۔ "نیم صاحب۔"

اس نے جلدی سے کہا "میں چلا جاؤں گا نیم صاحب۔"

"اب یہ ٹھیک ہے۔ جیسے اس کچلے کام میں سے۔"

خان اولاد ایک وقت تھا کہ اس قسم کی صورت حال میں وہ کوشش کرتا تھا کہ خود اپنا راز چلا جائے۔ صرف نیم صاحب کے ساتھ اٹھلا رہنے سے بچنے کے لئے اور کچھ وہ ہوا تو تھا کہ وزیر خان اپنا راز چلا جائے۔ صرف اس لئے کہ وہ اسے نیم صاحب کے پاس آگیا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

"میں؟" وزیر خان میں جانک۔ اس سے مجھے کام ہے۔"

اسٹیلہ نے فیصلہ کن لیے جسے کہا۔

"لیکن نیم صاحب، میرا کام" سعید خان نے احتجاج کیا۔

"تمہیں میرے حکم پر چلنا ہوگا۔ یہ فیصلہ کرنا میرا کام ہے کہ کس وقت کس سے کیا کام کرنا ہے۔" اسٹیلہ کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"جو حکم نیم صاحب" سعید خان نے مری مری آواز میں کہا۔

پھر چہا "اب میں جاؤں گا؟"

"ہاں جاؤ۔ کھانے کے بعد باؤں چلے جانا۔"

"میں بھی جاؤں نیم صاحب؟" وزیر خان نے پوچھا۔

"تم بیٹھو۔ چائے کی کرنا۔"

سعید خان چلا گیا۔ اسٹیلہ لیکن میں چلی گئی۔ اس نے وزیر خان کے لئے چائے بنائی۔ اس دوران اس نے کھانے کے لئے بیٹھو۔

بھی بنا لئے۔ وزیر خان کو چائے کی پیالی تھا کہ اس نے اپنے لئے ایک جام بنایا۔ پھر وہ وزیر خان کی طرف متوجہ ہوئی۔ "تم باؤں چلے جانا چاہتے تھے؟" اس نے گڑے لیے جس میں پوچھا۔

وزیر خان کا چہرہ جھٹکا لگا۔ وہ کھسکی ہوئی کسی شے کا "وہ تو میرا حق ہے۔ آپ بھی دیکھ رہی ہیں کہ میری حرکت کام دکھائی ہے۔"

"جہیں اس کا صلہ مل جائے گا۔"

"مجھے یقین ہے کہ آپ بے انصاف نہیں ہیں" وزیر خان عیاری سے مسکرایا۔

چائے پینے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا اور باہر چلا گیا۔ اسٹیلہ نے اسے روکا بھی نہیں۔ وہ گاؤں پر بیٹھ کر اپنے جام سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتی رہی۔ ڈیرہ بچے اسٹیلہ نے ان دونوں کو آواز دے کر لایا تاکہ وہ کھانا کالیں۔ کھانے کے بعد اس نے خریداری کی فہرست اور پیسے سعید خان کو دیے۔ "جداؤ۔ تم یہ چیزیں خرید لانا۔"

اس نے کہا۔

سعید خان نے بڑی بے دلی سے دونوں چیزیں جیب میں رکھیں۔

"بہتر نیم صاحب۔"

وزیر خان بھی ساتھ ہی باہر جانے لگا تو اسٹیلہ نے اسے روک لیا۔ "تم روک جاؤ وزیر خان۔ تم سے ایک کام ہے مجھے۔"

اس پر سعید خان کے ردوارے کی طرف بڑھتے ہوئے قدم اٹھائے۔ اس نے لپٹ کر باؤں باری وزیر خان اور اسٹیلہ کو دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں شکایت اور بے بسی تھی۔ وہ چند لمحوں میں ان دونوں کو

دیکھا رہا۔ پھر گیا۔

اس کے جانے کے بعد کچھ دیر خاموشی رہی۔ اسٹیلانے جام سے گھونٹ لی تھی۔ وزیر خان کھڑا اُسے دیکھا رہا۔ پھر وہ قائلین پر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اسے یقین تھا کہ آج اسے ہر مسئلہ حلے والا ہے۔ اسے اپنا دل ملنے میں دھڑکا محسوس ہوا تھا۔

اسٹیلانے جام خالی کر کے رکھا تو وزیر خان نے لڑتے ہاتھوں سے اس کا ہاتھ قلم لیا اور بے نیازانہ اسے چومنے لگا۔ اسٹیلانے نے یہ سب کچھ خلاف توقع نہیں تھا۔ مگر پھر بھی وہ ہکا بکا نہ مٹی۔ اس نے ہنسنے اور غصے سے وزیر خان کو ایک طرف دھکیل دیا یہ کیا بد نظیری ہے۔ وہ غرائی۔

وزیر خان نے خیریت سے اسے دیکھا۔ آپ نے کہا تھا کچھ صلہ دیں گی۔

”ہاں۔ مگر میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ یہ تو میں نے تمہیں ابتدا میں ہی کہا تھا کہ یہ خیال دل سے نکال دو۔“

”تو پھر؟“

اسٹیلانے اٹھ کر اپنا پرس اٹھایا اور اس میں سے چند نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔ ”یہ لو اور اب جاؤ۔“

وزیر خان نوٹوں کو دیکھ کر مسکرایا۔ اس نے نوٹ جیب میں رکھ لے۔ ”تو اب میں جاؤں؟“

”ہاں جاؤ اور تمہارے دوں کے درمیان کام کرو چاکر“ اسٹیلانے زہریلے لہجے میں کہا۔

”جو تمہیں ہم صاحب“ وزیر خان نے کہا اور باہر کی طرف چل دیا۔

وزیر خان اسٹیلانے میں جانے کی بجائے باہری دیوار سے ٹک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ سعید خان کے باوجود جیسے جانے پر اس نے ایک توقع قائم کر لی تھی۔ پھر رسالہ دیکھ کر بھی اس نے خود کو بھڑکایا تھا۔ لیکن اب ہم صاحب نے اسے آسان سے اٹھا کر زمین پر پڑھ دیا تھا۔ اسے تو جین کا احساس ہونے لگا۔ وہ اس حد تک بھڑکا کہ اس نے سوجھا اندر باہر زبردستی۔۔۔

مگر پھر اسے ہم صاحب کا آخری جملہ یاد آ گیا۔ وہ گہرا متوکل سے سوچنے لگا۔ آوی گھوٹوں کے درمیان رہے تو بدو دار تو ہو گا۔ یہ یہوں اور صاحب لوگوں کے تو خیرے ہوتے ہی ہیں۔ اسے اس بات کا بھی خیال نہ تھا ہو گا۔

○●○

اب اسٹیلانے ملادار کرنے کے لئے تیار تھی!

وہ اسٹیج تیار کرنے میں مصروف ہو گئی۔ اس نے اپنا خالی جام قائلین پر ایک طرف لٹکا دیا۔ پھر اس نے ایک اور جام بنایا اور وہیں بیٹھ کر مزے لے لے کر گھونٹ گھونٹ بیٹھ رہی۔ خالی جام اس کے سامنے لٹکا ہوا تھا۔ جس جام سے وہ لی رہی تھی اسے اس نے پوری طرح خالی نہیں کیا۔ کچھ شروب باقی تھا کہ جام اس نے قائلین پر رکھ دیا۔ پلے ہوئے اب بھی وہیں پڑا تھا۔ جہاں وزیر

خان نے اسے رکھا تھا۔ اس نے اسے اٹھایا۔ ایک خاموش ورق نکالا اور پھر رسالے کو ان کے رکھ دیا۔ اب اسے دیکھ کر کوئی بھی سمجھتا کہ کسی نے رسالہ دیکھ کر کیسے کسی کام سے اٹھنے ہوئے اسے اس طرح رکھ دیا ہے۔ اگر وزیر نظر منہ تلاش نہ کرنا پڑے۔

اسٹیج میں کھڑے کے بعد وہ ادنیٰ منزل پر اپنی خواب گاہ میں پہلی گئی۔ اب اسے بس آنے والے کا انتظار کرنا تھا۔ وہ کوئی کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ کوئی میں وقت دیکھا تو اندازہ ہوا کہ سعید خان کو کچھ ایک گھنٹے سے زیادہ ہو چکا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا تھا۔ یہ پلے تھا کہ سعید خان بہت زیادہ تھوڑی دیر کا تھا۔ وہ زیادہ دیر کا کچھ سے دور رہنا نہیں چاہے گا۔

اس کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ بندہ منٹ ہونے ہوا۔ گئے کہ سعید خان سامان کا تھیلہ اٹھائے آنا دکھائی دیا۔ وہ اسے دیکھتی رہی۔ سعید خان سٹلائی نگاہوں سے اسٹیلانے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

پھر اسٹیلانے اس کے چہرے پر اطمینان کا تاثر ابھرنے دیکھا۔ اسٹیلانے زہر پر مسکرائی۔ وہ جانتی تھی کہ جب وہ نیچے پیچھے گی تو

سعید خان کے چہرے پر اس سے بالکل مختلف تاثر ہو گا۔

سعید خان کالج کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسٹیلانے کے اندازے کے مطابق وہ ذرا ٹنگ دم میں پہنچا تو اسٹیلانے نے سڑکیاں اڑنا شروع کیا۔ نیچے پیچھے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ کام اس کی توقع کے مطابق ہوا ہے۔ سعید خان نے کمرے پر ایک نظر ڈالی ہوئی اور دل ہل گیا ہو گا۔ ایک طرف لڑنا ہوا خالی جام دوسرا جام جس میں شروب باقی تھا۔ پلٹ کر رکھا گیا رسالہ۔ اس نے بے ساختہ رسالہ اٹھا کر اس ورق کو دیکھا ہو گا۔ اور رسالہ اس کے ہاتھ میں ہی تھا کہ اسے اسٹیلانے کے قدموں کی چاپ ٹانگی دی ہو گی۔ اس نے کڑوا کر رسالہ ایک طرف پیچھ دیا ہو گا۔

رسالہ اب مختلف جگہ پر رکھا ہوا تھا۔ سعید خان قائلین کے بالکل پاس سرخ کائے کھڑا تھا۔ سامان کا تھیلہ پاس ہی فرش پر رکھا تھا۔ ”لے آئے سامان؟“ اسٹیلانے پوچھا۔

سعید خان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر اب وحشت تھی۔ ”جی ہم صاحب“ اس نے مری مری آواز میں کہا۔

اسٹیلانے اس کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے تھیلے کا در کھول کر دیکھا اور طمانیت سے سر ہلایا۔ ”ٹھیک ہے۔“

سعید خان نے جیب سے پیسے نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

”یہ پیسے بچے ہیں ہم صاحب۔“

اسٹیلانے ہاتھ پر دھار کر رقم لے لی۔ وہ پیسے سے زیادہ دوپے تھے۔ اس نے سعید خان کو غور سے دیکھا۔ جس کے چہرے پر اب باہری نظر توڑی تھی۔ یقیناً اسے توقع تھی کہ وہ پوری رقم نہ سہی کچھ نہ کچھ اسے ضرور دے گی۔ ”شکر یہ سعید خان“ اس نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ ”بس اب تم جاؤ۔“

لیکن سعید خان وہیں کھڑا رہا۔ اس کے انداز میں اچھکا ہٹ تھی۔ ”کیا بات ہے سعید خان۔ میرا خیال تھا کہ آج تمہیں کام بہت

ہے۔“ اسٹیلانے کا لہجہ ذرا سخت ہو گیا۔

”جی کام تو بہت ہے۔“ اسٹیلانے نے بے دردی سے کہا۔

”مگر پھر جاؤ۔ کام کرو۔“ اسٹیلانے نے پوچھتی تھی۔

”وہ۔۔۔ ہم صاحب۔ ایک بات پوچھ کر کہ مجھ سے۔“ اسٹیلانے

”کیا بات ہے۔ اب تم بھی پوچھ کر کہ مجھ سے۔“ اسٹیلانے

نے دانستہ طور پر لہجہ اور سخت کر لیا۔

سعید خان بہی طرح خروس ہو گیا۔ لیکن بات ایسی تھی کہ وہ پوچھنے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس نے اپنا حوصلہ جمع کرتے ہوئے

کہا۔ ”وزیر خان۔۔۔ میرا مطلب ہے ہم صاحب کہ وزیر خان یہاں

آیا تھا؟“ یہ کہنے ہوئے اس کی نظریں خود بخود لڑکھنے ہوئے جام کی طرف اٹھ گئیں۔

”ہاں۔ آیا تو تھا۔“

”تو۔۔۔ کیا اس نے شراب بھی پی؟“

”تم بندہ ستانیوں کے ساتھ یہ پورا مسئلہ ہے۔“ اسٹیلانے نفرت سے کہا۔ ”تم لوگوں کو ذرا منہ دکھایا جائے تو سر جھکا جاتے ہو۔ مجھے

ابتدائی میں تمہیں روک دینا چاہئے تھا۔ مجھے کہنا چاہئے تھا کہ تمہیں مجھ سے پوچھنے کا کوئی حق نہیں۔ انتہائی تجسّس ہے تو جا کر وزیر

خان سے پوچھ لو۔ مگر میں نے اٹھا تھا تمہیں جواب دے دیا تو اب تم بد نظیری پر اتر آتے ہو۔ اس سوال کا جواب دل کی تو تھمادی

بد نظیری بڑھ جائے گی۔ تم اور بھی بہت کچھ پوچھنا چاہو گے۔ اس لئے اسی وقت تمہارا منہ بند کرنا ضروری ہے۔ جاؤ اپنا کام کرو۔ اور

جو کچھ پوچھنا ہے وزیر خان سے پوچھو۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے اپنی اوقات یاد رکھا کرو۔“

سعید خان کا چہرہ لال سمجھو کا ہو گیا۔ بغیر ایک لفظ کے وہ چلا اور باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد اسٹیلانے مسکرائی۔ اسے اندازہ تھا کہ پہلا وار ہی کافی مؤثر ثابت ہوا ہے۔

○●○

سعید خان کام شروع کرنے کی بجائے سیدھا وزیر خان کی طرف گیا۔ وزیر خان اسٹیلانے کی دیوار سے ٹک لگائے بیٹھا تھا

”بازار سے آگئے یا؟“ اس نے سعید خان کو دیکھتے ہی پوچھا۔

”ہاں۔“ سعید خان نے جواب دیا۔ پھر پوچھا ”ہم صاحب کو تم سے کیا کام کرا رہا تھا؟“

”ہم صاحب کو؟ مجھ سے؟ کام؟“ وزیر خان حیران نظر آنے لگا۔

”ہاں۔ جب تم میری جگہ بازار جانا چاہو رہے تھے تو ہم صاحب نے کہا تھا کہ تم سے کوئی اور کام کرا رہا ہے۔“

وزیر خان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ ”جھاؤ؟“ اس نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔ ”صاف کرنا یا؟“ اس نے اسٹیلانے میں تجسّس کچھ نہیں دیکھا۔

”ہم صاحب نے منہ کیا تھا۔“

سعید خان نے کوئی نظریوں سے اسے دیکھا۔ لیکن مزہ چوچ

کچھ نہیں کی۔ سعید خان کچھ دیر وزیر خان کے پاس بیٹھا رہا۔ وزیر

خان کو ایک غیر معمولی بات محسوس ہوئی۔ سعید خان بغیر کسی مسئلہ

وجہ کے اس سے قریب۔ بہت قریب ہوئے کی کو مشعل گردا تھا۔

کیوں؟ یہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ تاہم بدھل کے طور پر وہ اس سے بچ گیا۔

پلانا تو سعید خان کو اٹھا دیا۔ لیکن وہ مطمئن نہیں تھا۔ وہ

وزیر خان کا منہ نہیں سوگھ پایا تھا۔ لیکن وزیر خان جس طرح اس سے بچ رہا تھا اس سے اس کے دل میں قہقہے و شہسوات پیدا

ہو رہے تھے۔ ہر گھبراہٹ کے کام میں مصروف ہو گیا۔

شام کو اسٹیلانے اسے کالج میں بلایا۔ یہ سیر اٹھا کر اور مرکہ

”وہ“ اس نے اشارے سے بتایا۔

سعید خان نے خاموشی سے اس کے حکم کی تعمیل کرنی۔ وہ

واپس جا رہا تھا کہ اسٹیلانے اسے تھارہ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

”مجھے افسوس ہے سعید خان کہ مجھے تم سے سخت گفتگو کرنی

پڑی۔“ اسٹیلانے کہا۔

”کوئی بات نہیں ہم صاحب۔“

اسٹیلانے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں ”لیکن تم نے مجھے

مجبور کر دیا تھا۔ تمہیں حد سے نہیں بڑھنا چاہئے تھا۔“

”تمہیں یہ بات سمجھتا ہوں ہم صاحب۔“

”مجھے دل افسوس ہے۔“

”اس کی ضرورت نہیں۔ ہم صاحب۔ آپ الگ ہیں اور میں

نورک ہوں۔“

”تم جانتے ہو میں نے بھی ایسا نہیں سمجھا۔ میں نے جیٹ تم

سے دوستانہ گفتگو رکھنے کی کوشش کی۔“

”ٹانگ اور نورک میں دوستی نہیں ہوتی ہم صاحب“ سعید خان نے خشک لہجے میں کہا۔

ہوگی۔ اور جہاں تک کردار کا تعلق ہے اور انکار بھی نہیں۔ شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔
 "تمہیں اندازہ نہیں کہ وزیر خان مجھ سے کس طرح کے تعلقات قائم کر رہا ہے۔"
 سعید خان کا چہرہ غمناک تھا۔ "مجھے اندازہ ہے۔ اور میری آپ سے التجا ہے کہ اسے مت لے لگائیں۔ وہ آپ کے لئے بھی نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔"

"تم میرے نہیں اپنے نقصان کی فکر کرو" اسٹیلا نے حیرانہ لہجہ میں کہا۔ "میں سوچتی رہی کہ میں کتنی غلطیوں میں اپنے لئے میں نے تم سے دوستی کر لی تھی۔ لیکن تم نے مجھے باپس کیا" اس نے ایک وقت کیا ایسے اسے اپنی بات پوری طرح سمجھنے کی سہولت دے رہی تھی۔ "لیکن تم نے مجھے باپس کیا" اس نے دہرایا۔ "جی بات ہے۔ وزیر خان مجھے بھی اچھا نہیں لگتا۔ مگر وہ مجھ میں دلچسپی لیتا ہے۔ اچھے سے دوستی کرنا چاہتا ہے۔ اب میں تو یہی سوچ رہی ہوں کہ کچھ بھی نہ کرنے سے کہہ رہا ہوں۔"

"میرنی اچھا ہے کہ آپ ایسا کریں۔"
 اسٹیلا نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر معنی خیز لہجے میں کہا "صرف تم ہی مجھے روک سکتے ہو۔ کیسے۔۔۔ یہ بھی تم جانتے ہو۔"

سعید خان کی نظریں چمک اٹھیں۔ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ لیکن اس کے چہرے کے اثرات اس کے انکار کی غمازی کر رہے تھے۔

"وزیر خان... تمہارا بولنے والا بہنوئی کیسا بھی سخی ایک لحاظ سے تم سے بہتر ہے" اسٹیلا نے دہریے لہجے میں کہا "وہ غیر مشروط طور پر میرا غلام بننا چاہتا ہے۔ میرے اشارے پر وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ کچھ بھی چھوڑ سکتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے اسٹیلا کا لہجہ معنی خیز ہو گیا "اویسے ایسی تک تو میں نے اسے منہ نہیں لگایا ہے۔"
 سعید خان کی آنکھوں میں برہمی چمکی۔ لیکن وہ اب بھی خاموش رہا۔

"ہاں نہیں! میں تم سے یہ باتیں کیوں کر کہتی ہوں۔ خیر تم جانتے ہو" اسٹیلا نے ہنسنے لگا۔
 "بہتر ہم صاحب" سعید خان نے کہا اور سر ہٹا کر بولے چلا گیا۔

اسٹیلا کو یادی ہوئی تھی۔ اس کا اندازہ تھا کہ پہلے ہی دار میں سعید خان کی مزاحمت دم توڑ جائے گی۔ مگر وہ زیادہ سخت جان ثابت ہوا تھا۔ پھر بھی ٹھہر مند ہونے کی کوئی بات نہیں تھی۔ اس کے دیکھنے میں ابھی کئی حیراتی تھے اور وہ جانتی تھی کہ اب اسے کون سا تجربہ چلانا ہے۔



سعید خان اس روز بہت پریشان تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ بات آگے بھی جا سکتی ہے۔ ہم کو اس کی کمزوری کا احساس ہو گیا تھا۔

اور پتلے تھا کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے بغیر نہیں مانتے گی۔
 وہ اس سلسلے میں سوچ رہا اور اسے وزیر خان پر قسم آ رہا۔ یہ سب کچھ وزیر خان کی کمزوری ہی کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ اس نے اس قسم کی وجہ سے اس کی دوستی کو بھی بالائے طاق رکھ دیا تھا۔
 سعید خان کو افسوس تھا کہ وزیر خان ان کا حکم منسل ثابت ہوا ہے۔
 وہ سوچ رہا کہ اس سلسلے کا کوئی حل بھی ہے۔ اب تک کی صورت حال تو یہ تھی کہ اس کی وزیر خان کی دوستی تک میں فرق آ گیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے کچھ کچھ رہے گئے تھے۔ دونوں ایک دوسرے پر شک کرتے تھے۔ اب سعید خان کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ اپنی دور سے آ کر کسی ایسی ملک پر حکومت کرنا کتنا مشکل تھا لیکن انگریزوں نے اسے کتنا آسان بنا دیا۔ اس سلسلے میں انگریزوں کا کیا طریق کار تھا اس کا اندازہ اسٹیلا کو کچھ کر رہا تھا۔

بالآخر سعید خان کو ایک حل سوچ ہی گیا۔ وہ جانتا تھا کہ وزیر خان نے بھی زمین خرید لی ہے۔ مالی اموالات بہت بہتر ہو گئے تھے۔ مقام اور مرتبے کے اعتبار سے دونوں خاندان دیکھتے ہی دیکھتے بلند ہو گئے تھے اور یہ انگریزوں کی... اسٹیلا اور میری رہائش کی سرمایہ تھی۔ اب وزیر خان کی شادی میں کیا قباحت تھی۔ یہ خیال آتے ہی سعید خان اچھکے ہوئے تھا۔ واقعی... یہ تو سارے ہی بات ہے۔ قطعی بات ہے۔ وزیر خان کی شادی وزیر خان سے ہو جائے۔ اس کے بعد وزیر خان کچھ بھی کر رہا ہے اسے کوئی پروا نہیں ہوگی۔ شادی ہوگی تو ریشم کا مستقبل محفوظ ہو جائے گا۔ ابھی تو وہ بے چاری مطلق ہے۔ شادی کے بعد تو یہ لے بھی سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔

سعید خان کمرے سے نکلا اور باورچی خانے میں ماں کے پاس چلا گیا۔ "کیا بات ہے، بھوک لگ رہی ہے؟" ماں نے پوچھا۔
 "نہیں ماں۔ ایک ضروری بات کرنی ہے مجھے۔"
 "کیا بات ہے پڑ؟" ماں نے تشویش سے اسے دیکھا۔
 "کوئی خاص بات نہیں ماں۔ بس ریشم کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ریشم کے بارے میں؟"
 "ہاں ماں۔ اب دیر کیسی۔ اس کی شادی بس کر دینی چاہئے۔ اب تو اللہ کا دیا سب کچھ ہے ہمارے پاس اور وزیر خان بھی زمین دار بن گیا ہے۔"

"کہتا تو تو ٹھیک ہے۔"
 "صرف یہ کہنے سے کام نہیں چلے گا ماں۔ تمہیں کل ہی وزیر خان کے ہاں جانا ہے۔"
 ماں ہنسنے لگی۔ "لیکن تیری بھی تو کرنی ہے۔"
 "تیری کیسی۔ میں جانتا ہوں! زیور اور پیرزے تو تم بہت پہلے سے جمع کر رہی تھیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ کل جا کر بات کروں گی۔"
 "صرف بات نہ کرنا۔ تاریخ بھی لے کر آنا۔ ہم ریشم کو سب تک بٹھا کر رکھیں گے۔"

میں پھر کچھ سنا دیا کہ اس کی جگہ پر سرسبز تھیں۔
 سنی۔
 سنی کے نہیں جانتا۔ اس میں یہ کام جلد از جلد ہو جاتا
 چاہئے۔ یہ کہ سرسبز خان کو احساس ہو کہ اس کا پیرہن کچھ بگاڑا
 گیا ہے۔

○●○

سعید خان گھر سے تھکا ہوا نکلا تھا اسے اندازہ نہیں تھا کہ
 لاکھ کچھ گھر پر حمل ہو جائے گا اور جو کچھ ہوا وہ اسٹیشن کے
 طرف ایک منٹ کی دیر سے تھا۔
 وہ معمول کے مطابق باغیچے میں کام کر رہا تھا۔ وزیر خان
 دونوں گھوڑوں کو باہر نکال لایا تھا۔ وہ انہیں تھپتھپا رہا تھا۔ شادی
 پر بعد اسٹیشن بھی واپس آئے تھے۔ لے کر آئے تھے۔ "یاد دوزیر خان"
 اس نے پتھرتی سے کہا۔
 "مہتمم مہم صاحب۔"

"وزیر خان" ایک بات تھا۔ تمہارے خیال میں اب میں بھی
 واپس آئے کچھ ہوں؟
 "نہی ہاں مہم صاحب۔ میں تو بہت پہلے سے یہ بات کہہ رہا
 ہوں۔"

آخر میں کس دور چلیں۔ تم مجھے کچھ قابل دید جگہیں دکھانا
 چاہتے تھے۔
 یہ وہ جگہ تھیں جن کو سعید خان کو لگا کہ اس کے سینے پر ہجر
 کی کوئی بھاری سل آگئی ہے۔ اسے اپنی سائیں دیکھ کر محسوس
 ہو رہی تھیں۔ اور وزیر خان جھٹک کر کہہ رہا تھا "میں مہم صاحب۔
 میں تو پہلے سے کہہ رہا ہوں یہ بات۔"

"پہلو ٹھیک ہے۔ آج خبر کرتے ہیں۔ کتنی دور جانا ہو گا؟"
 "دس بارہ میل تو ہو گا۔" وزیر خان نے جواب دیا۔
 "ایک بات تھا۔ میرا گھر دایے قابو بھی تو ہو سکتا ہے۔" اسٹیشن
 نے پڑ خیال لیتے ہیں۔
 "میرے خیال میں تو یہ ممکن نہیں۔"

"پھر بھی" ایسا ہو تو سکتا ہے۔
 "مہرا بھی تو آپ اسے قابو کر لیں گی۔ میں آپ کو اسے قابو
 کرنے کی ترکیب بھی بتا دیتا ہوں۔"

اس کے اندر اچھے والے طوفان کو جھانک کی طرح متاثر ہوا۔ یہ
 وزیر خان کے ساتھ اس بار دور چار دیواری تھی۔ یہ کہہ لیا کہ سکتا تھا۔ وہ تو
 انہیں کے ساتھ ہونے والی بات کو بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن
 نہیں وہ دیکھ سکتا تھا۔ وہ سوچ رہی تھیں انہیں دیکھنے کی۔ ایک
 کہ وہ ہم کے ساتھ پہرہ وال دے۔ دوسری یہ کہ وہ ان میں سے
 کسی کو یادوں کو بھی شہر کر دے۔ لیکن دونوں صورتیں اس کے لئے
 ناقابل تخیل تھیں۔ سو وہ بے بسی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ وزیر خان
 نے سارا دے کر ہم صاحب کو گھوڑے پر بٹھایا جب کہ اب وہ خود
 بھی گھوڑے پر سوار ہو سکتی تھی اور وزیر خان کا ہاتھ ضرورت سے
 زیادہ دیر تک ہم صاحب کی کمر کے نیچے لگا رہا پھر وہ دونوں پہلے گئے
 اور وہ اٹھنا نہ گیا۔

اب وہ قادیان کی ڈیڑھ پل سوچیں۔ وہاں مہم صاحب تھائی تھی۔
 جو اس کے کرب کو دیکھ رہی تھی۔ بس ایک خیال اسے دلا سادے
 رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ہاں آج وزیر خان کے گھر جانے کی اور شادی
 کی آواز ملے ہو جائے گی پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔
 اسے احساس تھا کہ یہ اعصاب شکن جنگ وہ زیادہ دیر نہیں لڑ
 سکتا۔ جنگ طویل پڑ گئی تو اس کی مزاحمت سنی کی دیوار ثابت ہو
 گی۔

○●○

وزیر خان کا بیچ سے آکر تھکے تھکے انداز میں معن میں پڑی
 چاڑھائی پر آ بیٹھا۔ اس روز وہ ہم صاحب کو بہت دور لے کر گیا تھا
 یعنی گھڑ سواری طویل ہو گئی تھی لیکن محسوس کی یہ وجہ نہیں تھی۔
 محسوس کا اصل سبب باؤسی تھی۔ ہم صاحب ابھی تک اس کی توقع
 پوری کرنے کو تیار نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اس کی ہر پیش قدمی کو
 سنی سے دیکھا تھا۔ اسے یاد تھا "وہ ہم کے رہنے پر جھنجھلا گیا تھا۔
 اس نے کہا تھا "مہم صاحب" پھر میں اس کیل میں حصہ نہیں لے
 سکتا۔"

ہم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چلی تھی "سنو وزیر خان اتم شاید
 یہ سمجھتے ہو کہ اگر زور دینے کے ہونے پہلوں کی طرح ہوتی ہیں اور
 ہوا کے جھونکے سے بھی جھولتی ہیں۔ اگر تپتی ہیں لیکن تم ٹھنکی ہو۔
 دنیا کی تمام عورتوں کی فطرت ایک ہی ہے۔ خواہ وہ کسی بھی رنگ و
 نسل اور مذہب سے تعلق رکھتی ہوں۔ انہیں صابر مرد اچھے لگتے
 ہیں۔ یہ میرے نہیں۔ تم اپنے اندر مہر کی خریدار کرو۔"

یہ سراسر امید بندھ جانے والی بات تھی۔ اور وزیر خان کے
 دل میں امید جاگ اٹھی "میں میر کر رہا ہوں" اس نے کہا "آپ
 اور کتنا مہر چاہتی ہیں۔"

"مہر کرتے رہو اور تمہارا دیکھ جائے۔"
 "لیکن بعض اوقات میر کرتے کرتے ایک ایسا مرحلہ آ جاتا
 ہے جب صلہ دینے والے کے لئے صلہ دینا ضروری نہیں رہتا۔
 ایسے میں صلے کا حق واد عام طور پر صلے سے محروم ہی رہ جاتا ہے۔
 مجھے صلہ چاہئے۔"

اس پر اسے کہہ اور پہلے مل گئے صلے کے نام پر۔ مگر وزیر خان
 کو کوئی لمحات محسوس نہیں ہوئی۔ اب بیوی کی اس کے لئے
 اچھی اہمیت نہیں تھی بلکہ ہم سے پہلے گئے ہوئے اسے ذلت اور
 توہین کا احساس ہوتا تھا۔

اس وقت اسے عرصے میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وزیر خان
 اپنے جذبات کا تجربہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ کوئی دھواں کا کام
 نہیں تھا۔ ہم سے اسے محبت پر مگر نہیں تھی۔ بس وہ اس کی جوانی
 کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ ایک جذبہ اور تھا۔ وہ فخر قوم
 سے تعلق رکھتی تھی اور وہ مقصد تھا۔ اور یہ مقصد کسی نہ کسی طور
 اپنے فخر کو مطلوب کرنا چاہتا ہے۔ وہ بھی یہی کہہ چاہتا تھا۔ وہ اس
 سے اس کے حسن و شباب کا خراج وصول کرنا چاہتا تھا۔

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے وزیر خان کو اپنی وحشت کا بھی
 ادراک ہوا۔ جتنا وہ ہم سے خراب رہی تھی "انہی ہی شدت سے
 اسے مسل دینے کی خواہش اس کے اندر ابھر رہی تھی۔
 وزیر خان کو خود اپنی وحشت سے خوف آنے لگا۔ اتنی
 وحشت! یہ تو کچھ بھی کر سکتی ہے آدمی سے۔ اس لئے وزیر خان کو
 یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ وہ زیادہ دیر اس وحشت کو زنجیر نہیں پھنسا سکتا
 وہ زیادہ دیر صبر نہیں کر سکتا۔

ساتھ ہی اسے سعید خان سے شدید نفرت کا بھی احساس
 ہونے لگا۔ یعنی عزیز ترین دوست رقیب بن گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ
 اس کے پاس سعید خان سے نفرت کا کوئی جواز نہیں۔ وہ جانتا تھا کہ
 ہم اپنے لفظوں کے برعکس کہے ہوئے پہلوں کی طرح سعید خان کی
 آغوش میں کرنے کے لئے بے تاب ہے۔ لیکن سعید خان خود اس
 سے گریز کر رہا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ سعید خان ایسا نہ کرتا تو
 شاید ہم کبھی اس سے سیدھے منہ بات بھی نہ کرتی۔ یعنی اس کی
 اہمیت سعید خان کی بے رحمی کے دم سے ہے۔ اس اعتبار سے اسے
 سعید خان کا احسان مند ہونا چاہیے تھا۔ مگر وہ اس سے نفرت کر رہا
 تھا۔ کیوں؟ اس کا ایک ہی جواب تھا اس کے پاس۔ وہ اس بنیاد پر
 سعید خان سے نفرت کر رہا تھا کہ ہم اس پر مرستی تھی۔ جب کہ وہ
 کسی طور بھی وزیر خان سے بہتر اور برتر نہیں تھا۔ اصولاً پیرا اسے
 ملنی چاہیے جو اس کی آرزو کر رہا ہو۔

اس احساس نے اسے چونکا دیا کہ کوئی اس کے پاس آ بیٹھا
 ہے۔ اس نے سر ہٹا کر دیکھا۔ وہ اس کی ماں تھی۔ وہ احتراماً سر کر
 کر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے بیٹے۔ تو کچھ پریشان دکھائی دے رہا ہے۔" ماں
 نے کہا۔
 "نہیں ماں۔ بس آج محسوس بہت ہو گئی ہے۔" وزیر خان نے
 جواب دیا۔
 "تو ٹھیک ہے تو آرام کر لے۔ میں بات بعد میں کر لوں گی۔"
 وزیر خان نے تجسس نگاہوں سے ماں کو دیکھا "کیا بات ہے
 ماں؟"

میں نے کہا کہ اس کی جگہ پر سرسبز تھیں۔
 وزیر خان نے اسے لہر لہا کر اسے شاید محسوس
 محسوس بھی محسوس ہے کہ تم کہتے ہو کہ سرسبز تھیں۔
 بات ہے۔

ماں سسٹرائی "بات پر سسٹرائی کی جگہ پر سسٹرائی کی جگہ پر
 خان کی ماں آئی گی۔"
 "نہیں۔ کیا بات ہے؟"
 "وہ کہہ رہی تھی کہ اب وہ ہم کو لڑنا ہم سے نہیں لڑا کرے۔
 شادی ہو جانی چاہیے۔"
 وزیر خان کی سسٹرائی چہ۔ "میں مجھے یہ کیا کہتا؟"
 "میں نے کہا۔ وزیر خان سے اسے لڑنا کرنا۔ مجھے کچھ مان لے لے
 آیا ہوں گی۔"

"میں نے کہا کہ وہاں میں ابھی شادی نہیں کر سکتا۔
 ماں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "یہ کبھی ہاں نہیں کر رہا ہے۔"
 میں بھی کتنی ہوں کہ اب شادی ہو جانی چاہیے۔"
 مگر جب تک میرا ایک کام نہیں ہو جاتا "میں شادی نہیں
 کروں گا۔"
 "تیرا کام؟" ماں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "اب اسے لڑنا۔
 رشتہ سے سب کچھ توڑ دے۔ اب تو کوئی کی بھی نہیں۔"
 وزیر خان ماں کو اس کام کے حلقے لٹا کر اس سے ایک
 کام ہاں۔

"میں نے کہا کہ اب جواب دلوں؟" ماں نے جھنجھلائی۔
 "نہی کہ ابھی کچھ عرصے انتظار کرنا ہو گا۔"
 "مگر وہ اسرار کر رہے ہیں۔"
 "تو بے شک کہیں اور رشتہ کو توڑ رہی ہو۔"
 ماں دلی کی "یہ تو کیا کہہ رہا ہے بیٹے کچھ جاننا ہی ہے۔"
 "سب جانتا ہوں۔ بس یہی میرا فیصلہ ہے۔"
 "وہ چھوٹا غصہ نہ کر میں انہیں سمجھا دوں گی۔"
 ماں اٹھ کر گئی۔ لیکن وزیر خان ابھی سوچوں میں گھر رہا۔

○●○
 سعید خان نے اور نفرت کی آگ میں جھٹک رہا تھا۔ ماں نے
 اسے بتایا تھا کہ لڑکے والے ابھی شادی کے لئے تیار نہیں ہیں
 "مفتری کہتی ہے کہ جو کچھ پاس تھا وہ زمین خریدنے میں لگ گئے
 ہیں۔ اب شادی کے لئے ملت چاہئے۔" اس نے بتایا تھا۔
 سعید خان خوب جانتا تھا کہ وزیر خان کے پاس کیا تھا۔ کہ
 بھی نہیں۔ اور اسی حال میں شادی بھی ہو جائے۔ ایسا ہی ہوا تھا۔
 زمین خریدنے کے لئے پیرہ کمال سے آیا۔ ہم صاحب اور صاحب
 سے ملا اور صرف اس لئے ملا کہ وہ حق دیتی اور کرنے کے لئے
 وزیر خان کو کالچے لے گیا تھا۔ اور اب وزیر خان اس کا یہ صلہ دے
 رہا تھا۔ کیا یہ جا رہا تھا کہ جو کچھ پاس تھا وہ زمین خریدنے میں لگ گیا
 گیا ہے۔ اس رات سعید خان خود کو انکادوں کے بہتر محسوس

کہا تھا۔ وہ نہیں سنا۔ وہ پہلا شخص تھا کہ وزیر خان سے
 عزت کر رہا تھا۔ وزیر خان صرف کم حرف نہیں تھا اس نے دُرُوم
 اس کے ظروسی بھی ثابت کر دیا تھا۔ لیکن رشتہ ایسا تھا کہ وہ کنگ
 بھی نہیں سنا تھا۔

رات بھر سوئے نہ سکا۔ صبح وہ جلدی کا بیچ چلا گیا۔ وزیر خان
 کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے ہر تھا کہ وہ پست دے گا اور
 بات اور خراب ہو جائے گی۔ اس کے لیے سناقت آسان نہیں
 تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وزیر خان کا سامنا تو اسے کرنا پڑے گا۔
 لیکن یہ ضروری تھا کہ وہ دُرُوم اس کے لیے تیار کر لے۔

کالج پہنچ کر اس نے کھانا پانی اٹھائی اور جنگ کی طرف چل
 دیا۔ اپنے قصہ درخشاں پر آگے ہی میں غایت تھی۔
 وہ کھڑوں کا کھڑا۔ لے داپس آتا تو اسٹیل بھی بڑا ہو چکی
 تھی اور وزیر خان بھی آگیا تھا۔ وزیر خان اسٹیل کے کاموں میں
 مصروف تھا ایک دیر گئے گزرتے تو سعید خان کو یہ غمازیت خیر
 احساس ہوا کہ وزیر خان بھی اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔ وہ بھی
 اس سے گریزاں ہے۔

اس روز وزیر خان اپنے معمول کے مطابق خود سے محو نہ
 تھے کہ نہیں لایا۔ اسٹیل رائیجنگ کے لیے تیار ہو کر آئی تو اسے
 محو نہ تھے کسی نظر نہیں آتا۔ اس نے وزیر خان کو پکارا "ابھی
 تو ہم صاب" اسٹیل سے وزیر خان کی آواز آئی۔
 مولیٰ دیر بعد وہ دونوں محو نہ تھے کہ چلا آیا "آج کوئی اور
 جگہ دکھائی دے" اسٹیل نے گاد نہ بھرے پہلے میں کہا۔
 "ضرور ہم صاب۔ چلیں تب گھر سے ہر سوار ہوں۔"
 وہ دونوں پہلے گئے۔ سعید خان کے اندر پھر ایک جہنم دیکھے
 لگا۔ غائب تورو قدر کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اسے ہم صاب
 سے مدد طلب کرنا ہوگی۔

اس شام اسٹیل رجمن کو اس وقت بہت حیرت ہوئی جب
 سعید خان نے معمول سے پہلے پہنچی کر کے کا فیصلہ کیا۔ وہ اسے یہ
 بتانے کے لیے کالج میں آیا تھا۔

پھر کیا بات ہے؟" اسٹیل نے پُر تشویش لہجے میں پوچھا "تم عام
 طور پر جو جگہ سے پہلے تو نہیں جاتے اور ابھی تو پانچ بجے نہیں
 ہیں۔"

"کوئی خاص بات نہیں ہم صاب۔ اب کوئی کام بھی تو نہیں
 ہے۔"

اسٹیل کا ذہن اس کے لیے کوئی کام سوچنے میں مصروف
 ہو گیا۔ لیکن سعید خان نے اسے سوچنے کی صلت نہیں دی۔
 "ابھی میں چلا ہوں۔ سلام ہم صاب۔"

اسٹیل کے کچھ کتنے سے پہلے وہ چلا گیا۔ اسٹیل سوچتی رہی۔
 یہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ ابھی چند روز پہلے تو سعید خان اسے
 وزیر خان کے ساتھ تھا پھر ڈولنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اور آج وہ
 خود انہیں ختمی فراہم کر رہا تھا۔ اسٹیل کا کہیں ہو گیا کہ سعید خان

اپنے کمر پر نہیں کیا ہو گا۔ بلکہ وہ کہیں چھپ کر اس پر نظر رکھے
 گا۔ اس کا مطلب ہے کہ آج وہ اس پر کاری دار کر سکتی ہے۔
 اگر اس کا اندازہ درست تھا تو کون کریم کسلے کے لیے سعید
 خان کو انتظار کرنا ضروری تھا۔

اسٹیل کالج سے نکلی اور اسٹیل کی طرف چلی گئی۔ وزیر خان
 محو نہ تھے کے لیے دالے پانی کا بندوبست کر رہا تھا۔ اس کا مطلب
 تھا کہ اب وہ جانے والا ہے۔ اس نے اسٹیل کو مستشرقانہ نظروں
 سے دیکھا "ایلیات ہے ہم صاب؟"
 اسٹیل اسے دیکھ کر مسکراتی "تم صلی کی بات کرتے رہتے ہو نا
 بیٹ۔"

وزیر خان کی آنکھوں میں امید چمکی۔
 "سوچتی ہوں۔ تمہیں صل ملنا چاہیے۔"
 "مجھے یقین تھا ہم صاب کہ آپ بے انصافی نہیں کریں
 گی۔"

"آج تمہرے تک روک سکتے ہو؟"
 "کیوں نہیں ہم صاب۔"

اتر پھر روک جائے ایک ڈیرہ کھینچے بعد کالج میں چلے آنا۔ مگر
 ایک شرا ہے۔"

"تم کریں ہم صاب۔"

"بلکہ بازاری نہ کرنا۔ صل قسطوں میں ملے گا۔ تمہیں اپنے
 آپ پر قابو رکھنا ہو گا۔ میرے ہر حکم کی تعمیل کرنی ہوگی۔ حکم عدولی
 کی اور میری مقرر کردہ حد سے آگے بڑھتے تو بھی کچھ نہیں ملے گا۔
 یہ بات ابھی طرح سمجھ لو۔"

تمہیں کچھ کیا ہم صاب۔"
 "ہیں تو سات بجے کالج میں آجائے۔"

اسٹیل کالج میں واپس آئی۔ وہ کینٹ کے پاس مٹی بوتل
 نکالی۔ لیکن کچھ سوچ کر بوتل واپس رکھ دی۔ آج خود کو ہوش میں
 رکھنا ضروری ہے۔ اس نے خود کو یاد دلایا۔ آج اپنی بھی ہے تو
 صرف دکھانے کے لیے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کھیل خراب ہو۔

اور وزیر خان پر بیجان طاری تھا۔ اس کے لیے تو ایک ہل
 بھی عدولی کے برابر تھا۔ اس کا بس چلنا تو وہ اسی وقت کالج میں
 جا سکتا۔ لیکن وہ نہیں چاہتا تھا کہ جتنی ہوئی بات خراب ہو۔ وہ ہم
 کی ہر بات پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ وہ اسے شکایت کا کوئی موقع
 نہیں دینا چاہتا تھا۔

وقت ست رفتار سے گزرتا رہا۔ وزیر خان آخری ہوئی
 دھوپ پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ شام کے سائے لہے ہوئے گئے تھے۔
 وہ موسم گرما تھا۔ سورج سات بجے کے بعد غروب ہوتا تھا۔ وزیر
 خان مغربی افق میں لٹکتی ہوئی نارنگی گیند کو دیکھتا رہا۔ اس کا بس
 چلنا تو اس گیند کو سامنے والی پناہی چوٹی سے نیچے دھکیل دینا۔
 بالآخر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے قدم کالج کی طرف اٹھ رہے
 تھے۔

سعید خان اپنے سوچے ہوئے پروگرام پر عمل کر رہا تھا۔ کالج
 سے وہ سیدھا کمر گیا۔ کھانا کھانے کے لیے لگاؤ لگا دیا اور
 کمرے تک گیا۔ گاؤں کے باہر وہ درختوں کے ایک جھڑ میں کھڑا
 ہو گیا جہاں سے وہ گاؤں میں جانے والوں کو دیکھ سکتا تھا۔ مگر وہ خود
 ان کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا۔

اسے وزیر خان کی آمد کا انتظار تھا اور وہ جانتا تھا کہ وزیر خان
 اب کسی بھی وقت آنا نظر آجائے گا۔

لیکن اس کی توقع پوری نہیں ہوئی۔ اس کے اندازے کے
 مطابق وزیر خان کو آٹھ بجے گئے سے زیادہ کی تاخیر ہو چکی تو وہ بے چین
 ہو گیا۔ اسے بدترین اندیشے ستانے لگے۔ وہ سوچنے لگا کہ اس سے
 ملاقات سرزد ہو چکی ہے۔ آج ہے کہ جہاں باتیت بھی انسان کو درست
 فیصلہ نہیں کرتے دیتی۔ یہ فیصلہ تو اس نے درست کیا تھا کہ ہم
 صاب سے مدد لیں۔ لیکن وہ انہیں جھوٹ کر وقت سے پہلے نکل
 آیا۔ یہ اس کی غلطی تھی۔ اور اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔
 اس غلط فیصلے نے تو شاید صورت حال کو اور خراب کر دیا تھا۔

اس کا اضطراب اتنا بڑھا کہ وہ جھڑ سے نکل آیا اور کالج کی
 سمت چل دیا۔ کچھ دور جا کر اسے خیال آیا کہ اگر اس وقت آتے
 ہوئے وزیر خان سے اس کی مدد بھیجی ہوگی تو کیا ہو گا۔ وہ کیا کئے گا کہ
 کہاں جا رہا ہے اور کیوں جا رہا ہے۔ یہ امکان بھی موجود تھا کہ وزیر
 خان اس کے ساتھ گئے گا۔

یہ سب کچھ اس نے سوچا۔ مگر اضطراب ایسا تھا کہ اس کے
 برائے ہوئے قدم رکے بھی نہیں۔ ہاں وہ وزیر خان کو دیکھنے کے لیے
 مناسب جواب سوچا رہا۔ وہ جمعہ کھڑا اور خود ہی مسرور کرتا رہا۔
 یہاں تک کہ وہ کالج کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے قدم بے اختیار
 باغ کی طرف اٹھ گئے۔ یہ بھی محفوظ جگہ تھی۔ وہ راست بھی نہیں
 تھا اور باغ کو کالج سے دیکھا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ وہاں پہنچ کر سعید
 خان نے اطمینان کی سانس لی۔ یہ بہت بڑی بات تھی کہ راستے میں
 اس کا وزیر خان سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ مگر یہ سوچتے ہوئے اسے
 احساس ہوا کہ اس بات کا ایک تشویش ناک پہلو بھی ہے۔ سوال
 یہ تھا کہ وزیر خان اب تک یہاں کیوں ہے اور کیا کر رہا ہے۔
 یہ خیال آتے ہی اس کا اضطراب دوچند ہو گیا۔ سورج غروب
 ہونے ہی والا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ سو سات بجے ہیں۔ اس
 نے کالج کی طرف دیکھا۔ ڈرائنگ روم کی کھڑکیوں پر پردے گرے
 ہوئے تھے۔ لیکن صاف نظر آ رہا تھا کہ روشنی بھی ہے۔

وہاں کیا ہو رہا ہے؟ یہ سوال سعید خان کے دل میں خنجر کی
 طرح اتر گیا۔ اس کا جواب بہت آسان تھا۔ وہ خود جا کر دیکھ سکتا
 تھا۔ لیکن کیا یہ مناسب ہے۔ سعید خان سوچتا اور الجھتا رہا کہ کیا
 کرے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

کسی اعتبار سے بھی نہیں تھا۔ وہ صلیج کی ایک بے لطف ہانسی تھی
 جو وہ ایک اہم بازی جیتنے کی خاطر بے دلی سے مکمل دھڑکیا۔ اسے
 کسی خاص نیچے کی توقع نہیں تھی۔ وزیر خان کے آنے پر اس نے
 اپنے لیے ایک جام بنایا تھا۔ پھر وہ تھکے دھکے سے پھر ایک
 کھڑکی لگی۔ وزیر خان کو آتے ہوئے کمر کھٹکا ہوا تھا۔ مگر وہ
 جام ابھی تک ختم نہیں ہوا تھا۔ وہ یہ بھی کہ وہ اسے ختم نہیں کر
 چاکی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ دوسرے جام کی قوت آگے
 یہ بات اس کے لیے باعث اطمینان تھی کہ وزیر خان اس کے
 اشاروں پر غائب رہا تھا۔ اس نے جس حد تک اسے اجازت دی
 تھی وہ اس سے قلم نہیں پھینچا تھا۔ اس سب کے دوران اسٹیل
 قصور میں سعید خان کو کچھ دیر ہی تھی پھر چھپ کر سب کچھ دیکھ رہا
 تھا۔ ہر لمحہ وہ اس کے بغیر مل کی قوت کر رہی تھی۔ اس کا اشتیال
 میں آتا فطری تھا۔ لیکن ہر لمحے اسے تاخیر ہی ہوئی۔ سعید خان ابھی
 تک حرکت میں نہیں آیا تھا۔

وہ سعید خان کو اور زیادہ مشتعل کرنے کے پتھر میں وزیر خان
 کو ڈھکیل دیتی تھی۔ اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ خود اسے کسی اس
 کھیل میں لطف آنے لگا ہے۔ ہاں بے دلی سے مکمل جانے والی
 دکھاوے کی وہ بالائی میان دار چلی گئی۔ اسے اس وقت احساس
 ہوا جب وہ بازاری پار چکی تھی۔ ساتھ ہی اسے یہ احساس بھی ہوا کہ
 یہ کھیل رانگیاں ثابت ہو رہی ہیں۔ اس کا مقصد پورا نہیں ہو سکا تھا۔
 کیوں؟ اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی تھی۔ اور وہ یہ ہے کہ اس کا پہلا
 اندازہ ہی غلط تھا۔ سعید خان کمرہ پوش میں موجود ہی نہیں تھا۔ ہوتا
 تو اس تماشے کا خاموش قاضی ہرگز نہ رہتا۔

کیف و انصاف کی ایک لڑائی تھی جو ایک ہل میں اس کے وجود
 سے گزرتی تھی۔ اور اب وہ بے کیف تھی۔ غار سے ملتی ہوئی
 کسی کیفیت سے وہ چار۔ اس نے بدترکی سے وزیر خان کو دیکھا۔
 لیکن اسی لمحے کسی معلوم صے نے اسے بتایا کہ اس کے ساتھ ہے
 زاری کا دوسرا مناسب نہیں ہے۔ وہ تپ کا دہن ہے۔ بھٹے ابھی
 اس کے کام آتا ہے۔ وزیر خان کی افادیت ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ
 بڑھ چکی تھی۔ اس نے مسکرا کر وزیر خان کو دیکھا اور نرم لہجے میں
 پوچھا "اب تو تم خوش ہو۔"

"جی اسٹیل ہم صاب۔"

اسٹیل کو سعید خان کی بات یاد آئی۔ سعید خان نے وزیر خان
 کے بارے میں کہا تھا کہ وہ کم حرف ہے۔ اور اس وقت وزیر خان
 نے اس بات کو درست ثابت کر دیا تھا۔ اسی لیے تو اس نے اسے
 اسٹیل ہم صاب کہا تھا۔ اب وہ یہ سوچ رہی تھی کہ یہ شخص تو
 تھوڑے ہی دنوں میں اسے بدترین سے اسٹیل کے کہنا لے گئے گا
 "کیونکہ بات یاد رکھنا وزیر خان" اس نے سوچے ہیں کہ "مجھے خود
 سہمی اور بدترین پسند نہیں ہے۔ اور تم میری حکم عدولی بھی نہیں
 کرنا۔"

"آپ بے فکر رہیں اسٹیل ہم صاب۔"

کالج میں جو کچھ ہو رہا تھا وہ اسٹیل رجمن کے لیے پُر لطف

دوست میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی۔ بلکہ سعد خان پہلے سے زیادہ صحت منگھا تھا۔ اب وہ صرف اپنے کام سے کام لے رہا تھا۔ سعد خان سے بھی اس کی بات نہ ہوئی۔ اکثر ایسا ہو تاکہ وہ کام نہ آتا تو سلام کرنا اور پھر جاتے ہوئے سلام کرکے دروازوں میں سناٹا بھی نہ ہوگا۔ آخر اسٹیل کا فیصلہ یہ تھا کہ اب دے گیا۔

اس روز اس نے چائے پانی اور ان دونوں کو اندر بلا دیا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ چائے کے گھونٹ لیتے رہے۔ اسٹیل انہیں توڑنے والی نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ پھر اچانک اس نے کہا "دوہرہ خان آج تو میرا چھٹی کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔"

"جو تم کو میرے ہم صاحب آج شام کو چھٹی پکڑنے چاہا ہے گا" دوہرہ خان نے کہنے میں مسرت تھی۔ اس دن کے بعد اسے ہم صاحب کی قیمت نہیں ملے گی۔ رائیجنگ کے دور ان کی یاد اس نے جیسی قدر کی تھی۔ لیکن ہم صاحب نے اسے روک دیا تھا۔ اب یہ تو کھانا ایشاء تھا۔

"میں ایک بات کہوں ہم صاحب پھر اسٹیل خان نے یہ چاہا۔ اس کا لہجہ خطرناک تھا۔

"ایک بات ہے سعد خان؟"

"یہ وہ بیٹھے چھٹی کھانے اور پکڑنے کے نہیں ہوتے ہم صاحب۔"

"لیکن سعد خان؟"

"اس موسم میں چھٹی کا ڈانڈ اچھا نہیں رہتا۔ بلکہ یہاں تک کھانا جاتا ہے کہ چھٹی صحت کے لیے نقصان دہ ہو جاتی ہے۔"

"اس کی کوئی وجہ بھی ہوگی؟" اسٹیل نے کہا۔

اب تک دوہرہ خان خاموشی سے سنا رہا تھا۔ سعد خان اس کا ہاتھ اٹھ کر غرا کر ہاتھ اس نے ہتھارت آہستہ سے لے لیا۔

"سب کو اس ہے۔ چھٹی صحت کے لیے نقصان دہ بھی نہیں ہوتی۔ ہاں بزرگوں نے اس مرض میں چھٹی کے شکار کو روکنے کے لیے یہ کھاناں گھڑی ہیں۔"

"ایسا ہے؟" تب بھی یہ سوچ ہے کہ اس موسم میں چھٹی کا شکار نہیں ہوتا چاہیے۔ سعد خان نے حیرت سے کہا "یہ تو چھٹی کی فصل ختم کرنے کے برابر ہے۔"

"تم دونوں مت الجھو۔ میں اس مسئلے میں مداخلت نہ کرنا چاہتا تھا۔"

چائے ختم کر کے وہ دونوں باہر چلے گئے۔ سعد خان بہت پریشان تھا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ اگر آج اس نے اس معاملے کو نہیں نہیں روکا تو پھر بھی بھی نہیں روک سکے گا۔ یہ چھٹی والا معاملہ تو خود اس کے ساتھ بھی ہو چکا تھا۔ اس کے اندر تو برائی کے خلاف مزاحمت تھی۔ اس لیے وہ بھی کرکٹ نہ کیا تھا۔ لیکن دوہرہ خان تو خود برائی کی طرف لپک رہا تھا۔ اس ایک موقع کے بعد تو شاید کچھ بھی نہ بچتا۔

اسٹیل کا پہلا جملہ سننے ہی جو اضطراب اس کے اندر چلا تھا۔

مسلک پھٹا جا رہا تھا۔ وہ بہت سے بچے تھے۔ لیکن اس کیفیت میں بھی وہ سوچنے پر مجبور تھا۔ سوچا یہ تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ وہ چاہتا تھا کہ ہم اس سے کیا چاہتی ہے۔ وہ اس کی ضرورت اور مستقبل مزاحمت کا قائل بھی ہو گیا تھا۔ عورت کی قسم مزاحمت کے متعلق اس نے بہت کچھ سنا تھا۔ وہ اس سے غافل بھی تھا۔ وہ اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتی تھی۔ جو کچھ وہ کر سکتی تھی یا کہنے کی دھمکی دے رہی تھی اس سے زیادہ بھی بہت کچھ کر سکتی تھی۔ ویسے جو کچھ کرے گی اس نے دھمکی دی تھی "اس کے لیے وہی بہت کافی تھا۔ اب تک اس نے ضرورت مزاحمت کی تھی۔ لیکن اب یہ ممکن نہیں تھا۔ یہ خیال سننے ہی سعد خان لرز اٹھا۔ وقت آیا تھا کہ ایک اچھے جگہ کی طرف وہ اختیار ڈال دے۔ اپنی زندگی کے بارے کی حد تک تو جنگ لڑنی چاہتی ہے۔ مگر حال اپنے پیادوں کو لڑنے پہنچے کا قدرے ہو رہا تھا۔ پھر یہ دیکھنا ہی بہتر ہو گا۔

سعد خان کسی حتمی فیصلے پر نہیں پہنچ سکے۔ لیکن اس کے اندر گناہ کے لیے ایک آواز کی صدا ہو گئی۔ اس کے ساتھ وہ اس میں ہو گیا۔ کاش۔۔۔ کاش دوہرہ خان ایسا نہ ہو گا۔ کاش وہ ہم سے اس کی سختی نہ ہوتی ہوئی۔ لیکن اب غافل بدل تو نہیں سکتے تھے۔

بالآخر اس نے فیصلہ کیا کہ اسے بلا تاخیر ہم سے بات کرنا ہوگی اور اس معاملے کو جیسے کے لیے ختم کرنا ہوگا۔ یہ فیصلہ کر کے وہ اٹھا اور کاش کی طرف چل دیا۔ وہ دائرہ گڑا رہا تھا۔ پھر بھی اس نے دھمکی دہی۔

"کون۔۔۔"

وہ اندر چلا گیا۔ اسٹیل صوبے پر بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک رسالہ تھا۔ وہ سعد خان کو دیکھ کر مسکراتی "تو سعد خان۔۔۔"

"جی نہیں تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔"

"جی ہم صاحب۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم مجھے چھیلوں کے متعلق بتاؤ گے۔"

"چھیلوں کے متعلق تو میں بتا چکا ہوں۔"

"تو میں نے سن لیا تھا۔ اب اصل بات کرو مجھ سے۔" اسٹیل نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں نے جو کچھ کہا تھا وہ سچ تھا ہم صاحب۔"

"لیکن اصل بات یہ ہے کہ تم میں چاہتے ہو کہ دوہرہ خان یہاں آئے۔"

"جی ہاں۔ میں اس وقت اسی مسئلے میں آیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میری مدد کریں۔"

"اس بات کا جواب میں چھٹی بار دے چکی ہوں۔ لیکن تم احسان فراموش نہیں ہو۔ اس لیے بات نہیں میں کہتی۔" اسٹیل نے بے رحمی سے کہا۔

سعد خان نے سر ہٹا لیا "میں آپ کی ہر بات ماننے کے لیے تیار ہوں۔ آپ دوہرہ خان کو چھیلوں کے لیے منع کر دیجئے گا۔ میں آج رات آپ کے پاس آؤں گا۔"

اسٹیل کا دل لمبوں اچھلنے لگا "تھک۔۔۔" لیکن آج میرے ساتھ کوئی کامیابی نہ کرنا ہوتی بہت چھٹاؤ گے۔

"تھک ہے ہم صاحب۔" سعد خان بلاتا اور باہر آیا۔ اس کے قدم تو تھکے ہوئے تھے لیکن سینے سے بہت برا بھلا ہو جاتا تھا۔

اس شام دونوں درست ساتھ ہی رخصت ہوئے۔ لیکن دونوں کی کیفیات مختلف تھیں۔ سعد خان مطمئن تھا۔ جب کہ دوہرہ خان احتجاجیابو تھا۔ اسے یقین تھا کہ ہم صاحب نے صرف سعد خان کی وجہ سے اسے چھٹی لانے سے منع کیا ہے۔ لیکن بات ایسی تھی کہ وہ جو کچھ نہیں سکتا تھا۔

○ ○ ○

اس رات اسٹیل راج زمین کے لیے انتظار میں بھی لڑت تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس بار کوئی کوڑ نہیں ہوگی۔ ان کے ہاتھ ہی وہ رات کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی۔ اس نے بہت دیر تک کے بعد دیر کا خصوصی اہتمام کیا۔

تیاری مکمل ہونے کے بعد اسے لڑا اور انتظار نہیں کرنا پڑا۔

توجہ دہانت پر اسٹیل پہلے تو وہ اندر کر گئی۔ اس نے روانہ ہو کر اسٹیل اور سعد خان اس کے سامنے تھا "سلام ہم صاحب۔"

"آج یہ نہیں چلے گا سعد خان" اسٹیل نے مسکراتے ہوئے کہا "مجھے ہاتھوں میں لے کر میرے رخسار پر یاد کرو۔"

سعد خان چند لمحوں کے چنگیالیا۔ پھر اس نے اسٹیل کی ہدایت پر عمل کیا۔

"تو بیٹھو۔ میں کھانا لگاتی ہوں۔ کھانے کے دوران تفصیلی بات بھی ہو جائے گی۔ اور پھر۔۔۔" اسٹیل نے دائرہ بندہ نامکمل چھوڑ دیا۔

سعد خان بیٹھ گیا۔ اسٹیل کھانا لگانے میں مصروف ہو گئی۔ میز اس نے پہلے ہی سیٹ کر لی تھی۔ کھانا لگانے کے بعد اس نے وہ موسم قیاس دشمن کرکریں اور سعد خان کو پکارا "آج بار بار رنگ کھانا لگا دیا ہے میں نے۔"

سعد خان اللہ کر وہاں چلا آیا۔ میز پر کچھ گروہ اپنی جگہ پر چھپا رکھا۔ یہ اہتمام اس نے پہلے ہی میں دیکھا تھا۔ وہ اسٹیل کے بیٹھنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اسٹیل بیٹھی تو وہ بھی بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے سامنے دھکی کھڑکی کی پلیٹ کو دیکھا۔ پھر اسے نظر انداز کر کے اپنے دائرہ سے کھانے میں مصروف ہو گیا۔ کبھی کبھی وہ کھانوں سے میز کے اس حصے کو دیکھتا تھا جہاں سرخ شراب کی بوتل اور جام رکھے تھے۔

اسٹیل کھانے کے دوران سعد خان کو کھاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ اپنے تھوڑے دھم انداز میں۔۔۔ بڑے جنگی پن سے کھا رہا تھا۔ اسٹیل کو وہ پہلا دان یاد آیا "اب اس نے سعد خان کو دیکھا تھا اس روز اسے اس کی اس خود اعلیٰ نے ہی متاثر کیا تھا۔ کھانا کھاتے ہوئے اسے اس بات کی یاد نہیں تھی کہ وہ سرے پہلے سے کھا رہے ہیں اور وہ جنگی پن کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ ایسے ہی

غافل تھی

فرنگ سارچنگ "میں اتنی رور سے چلایا پھر

ہمیں چھیلوں کے آگے آپ کہہ کر اتنی ہی رفتار سے

بادت ہے۔"

دوہرہ خان نے چاہتا ہوں صاحب ابھی نہیں

معلوم تھا کہ آپ چاہتے تھے میں سمجھا کوئی نہیں

کار کے لیے آیا ہے۔"

اسٹیل کو وہ خبر کے زمانے کا کوئی اور حسی معلوم ہوتا تھا۔ شاید اس کے لیے اس کی بھاری طواری وجہ کشش تھی۔

اسٹیل نے خوب صورت صراحی افغانی اور دونوں جام پر

ہیلے "اب یہ تو" اس نے کہا۔

"ہم۔۔۔ ہم صاحب۔ میں نہیں بی سکتا۔"

"یہ وہ گڑی شراب نہیں ہے پاگل ٹوٹی۔ یہ واٹن ہے

میں ہی ہوتی ہے۔" اسٹیل نے اسے سمجھایا۔

"یہ باتیں اس میں نہ ہوتے یا نہیں؟" سعد خان نے پوچھا۔

اسٹیل کو اس کی سادگی پر یاد آئے لگا۔ اب ایسے آدمی سے وہ جیوت تو نہیں بول سکتی تھی "نہ تو ہوتا ہے لیکن بہت کم۔"

"تو پھر میں نہیں لی سکتا۔ اور میری اچھا ہے کہ آپ بھی نہ

بیں۔" سعد خان نے کہا۔ پھر خود ہی وضاحت بھی کہہ لی "مجھے

سے کوئی لذت نہ ملتی تھی۔ لانا کم ہو جاتی ہے۔"

اسٹیل کو حیرت ہوئی۔ وہ تو یہ بات جانتی تھی۔ لیکن سعد خان کو کیسے معلوم ہوا "کیوں۔۔۔ تم نے بھی لیا ہے۔"

"میں ہم صاحب۔ لیکن پینے والوں سے ان کی کہانیاں سن

پڑا۔ آپ میری بات مان لیں۔"

"اور اگر میں تجھیں نہیں دلاؤں کہ ایک جام سے کچھ بھی

نہیں ہو گا۔ بس تھک آتی ہے تو؟"

"میں تو پھر بھی نہیں لی سکتا ہم صاحب۔ یہ حرام ہے۔"

اسٹیل نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا "میں نہیں سمجھتی

کہ اس وقت تم مجھ سے بحث کرنے کی پوزیشن میں ہو۔ لیکن میں کم

پر زب کے معاملے میں کوئی چیز کر کے وہ سناہ داخل کو بھروسہ نہیں

کرنا چاہتی۔"

سعد خان نے شکر گزاری سے اسے دیکھا۔ وہ دل میں نے

اعتراف کیے بغیر وہ سکا کہ اپنی فطرت کروڑوں کے باوجود اسٹیل

امیں عورت ہے۔

"اب تم یہ بتاؤ کہ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اسٹیل نے پوچھا۔

"وہ تو میں بتا چکا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے شادی پر

مجبور کر دیں۔"

"یہ ضروری نہیں کہ وہ میری بات مانے۔" اسٹیل کا لہجہ سوچ

میں نے کہا "اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مجھ سے بات ماننے کی نیت سے وصل کرے۔ یہ اندازہ تو تم لگا سکتے کہ ایسا ہو تو کیا سبب کرے گا۔"

اس کی بات سن کر سعید خان کا جسم قہر سے گرم ہوا۔ اس نے ذرا توقف کے بعد کہا "پھر آج ایسا کریں کہ میں اسے توڑ کر بائیں بالکل مٹا دوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس صورت میں بات خود بخود ختم ہو جائے گی۔"

"ہاں یہ بہتر ہے لیکن تم جانتے ہو کہ مطلب یہ رہا ہو جائے کہ ہم کو بے آغوش چھوڑ دیا جائے گا۔"

"میں بے حد غصہ ہوں سعید خان نے براہ راست بولے۔ کلاہ اشٹلا مٹا دینے لگا "میں جانتی ہوں۔ اب تم چل کر دارالحکومت میں اپنے بیٹے کے ذرا دور میں آتی ہوں" اس کے کہہ کر وہ دم کی برق چل دی۔ اشٹلا کے لیے وہ خاص پہنچ تھا۔ اسے احسان خان کا سعید خان مجبور ہو کر اس کے قریب کیا ہے۔ گویا یہ ایک کاروباری معاہدہ تھا۔ لیکن وہ اس کا دباؤ کو محبت کا روپ دینا چاہتی تھی۔ دارالحکومت میں اس نے خاص طور پر کئی رسالے لکھ دیے تھے۔ اب اسے اوپر جا کر تیار ہونا تھا۔ چاری کا پورا نقشہ بھی اس کے ذہن میں موجود تھا۔

○●○

ایک روز سعید خان سعید خان سے ملے گا کہ اشٹلا نے بہت اصرار کیا تھا لیکن وہ رکے کو آمادہ نہیں ہوا تھا۔ اس کے جانے کے بعد اشٹلا سو گئی تھی۔

وزیر خان اپنے معمول کے مطابق صبح نو بجے کالچ پینا۔ یہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی کہ سعید خان ابھی نہیں آیا ہے۔ مگر اس نے گئے گئے اسے تشریف ہونے لگی۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ خاص طور پر اس لیے کہ اس شام کو سب کو گھر آنا تھا۔

اشٹلا کی طرف واپس جاتے ہوئے اس کے قدم کا بچھ کی طرف اٹھ گئے۔ اس نے دو دروازے کو دیکھا تو دروازہ کھل گیا۔ وہ اندر چلا گیا۔ اندر کا منظر دیکھ کے وہ بہت ہی گراہ گیا۔ وہاں کئی رسالے بکھرے ہوئے تھے۔ اسے کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ اس نے لاہر اور مہر دیکھا۔ اس کی نظر دارالحکومت دم کی طرف اٹھ گئی۔ دارالحکومت میں اسے صاف نظر آ رہی تھی۔ اس طرف چلا گیا۔ دارالحکومت میں بھی بہت کچھ تاری تھی۔ وہاں شراب کی مراچی اور دروغی جام رکھے تھے۔ یہ بھی اسے تھا کہ وہاں دروازہ نے بیٹھ کر کھانا کھایا ہے۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اشٹلا کے ساتھ کون ہوگا۔

اپنا تکیہ خور وزیر خان کے لیے بھی تیار کن تھا۔ اسے ایسا لگا کہ اس کے سینے میں آگ بھڑک اٹھی ہے۔ بے سوچے سمجھے وہ اوپر خواب گاہ کی طرف چل گیا۔ اشٹلا کی خواب گاہ کا دروازہ بھی کھلا تھا۔ وہ اندر چلا گیا۔ وہاں ہو سکتا اس نے دیکھا اس کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ وزیر خان سو گئی تھی۔

ہم پر چھٹا چاہتا تھا۔ لیکن اسے معلوم تھا کہ وہ تکیے کے نیچے بیٹھ کر سو گئی ہے۔ یہ وقت مناسب نہیں تھا۔ تاہم اس نے دل میں طمانی صحتی کو اب تک کی اپنی توجہ کی سزا ضرور دے گا۔ وہ دے پاؤں پلے دوم سے نکلا اور دو تار بند کر کے نیچے چلا آیا۔

اشٹلا میں کام کرتے ہوئے بھی اس کے کان باہر کی آوازیں سن رہے تھے۔ وہ تھے ساڑھے دس بجے سعید خان گیا۔ وہ آٹھ بجے باغ میں مصروف ہو گیا۔ اشٹلا عام طور پر یاد ہے۔ تک مگر سواری کے لیے تیار ہو کر آ جاتی تھی۔ لیکن اس روز ساڑھے پانچ بجے وزیر خان بہت سے پتلی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

اشٹلا گیارہ بجے سو گرائی۔ اس پر کشیدگی جاری تھی۔ وہ باغ دوم میں جا کر طمانی تو تین دروازے ہوا۔ لیکن میں جا کر ناشیا تیار کرتے ہوئے وزیر خان کے بارے میں سوچ رہی۔ اس روز اس کا مگر سواری کا کوئی آمادہ نہیں تھا۔ لیکن کمزوری سے باہر جانتی ہی اس کا موڑ بن گیا۔ موسم بہت اچھا ہوا تھا۔ آسمان پر ٹھنڈا چھا چکا ہوئی تھی۔ اس کا دل باہر جانے کو کھینچا۔ لیکن اس کے وہ لباس تبدیل کرنے اور پہنی تھی۔ وہ تیار ہو کر اشٹلا کی طرف گئی۔ وزیر خان اسے دیکھتے ہی باہر گیا "مقام نیم حساب۔ آپ چلیں۔ میں گھر سے لے کر آ رہا ہوں۔"

وزیر خان معمول کے مطابق گھر سے پر سواری ہونے کے لیے اسے سارا دینے لگا تو اشٹلا نے دو تپتی سے اسے منع کر دیا "اب میں خود بھی سواری ہو سکتی ہوں۔"

وزیر خان کے سینے کی آگ اور بھڑک اٹھی۔ لیکن زہر کے وہ ٹھونڈ پڑا اس کے لیے زیادہ دشوار ثابت نہیں ہوا۔ یہ اطمینان اس کے لیے کافی تھا کہ وہ جلد ہی حساب لے باقی کرے گا۔ اس نے سہرا اٹھا کر بادلاں کو دیکھا۔ بارش ہونا چاہی تھا۔ لیکن شہر بارش کی توقع تھی۔ وزیر خان کو حیرت ہوئی کہ سعید خان نے نیم حساب کو روکنے کے لیے ٹانگ کیوں نہیں اڑائی۔ سعید خان نے اشٹلا کو صاف کے لیے منع کرتے سنا تو اسے طمانیت کا احساس ہوا۔ موسم کے تیز و تھوڑے بھی سمجھ رہا تھا۔ لیکن اس نے دھل انداز ہی حساب نہیں سمجھی۔ گزشتہ دو روز بھلی کے معاملے میں دخل دے چکا تھا۔ آج دھل اندازی کر کے وہ وزیر خان کی پرانی گریوں مول لیتا۔ اب تو حالات سوار سے کی صورت پیدا ہوئی تھی۔ وہ ان دونوں کو گھوڑے دوڑا کر جاتے دیکھ رہا۔

○●○

اس روز وزیر خان نے راستے کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ بارش شروع ہونے کے متعلق بھی اس کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ لیکن بارش کا تنازعہ اتنی شدت سے ہوا کہ وہ بھی روکھا گیا۔ اس وقت وہ ایک پہاڑ کے درمیان موجود تھے گھوڑے چڑھائی کا سفر طے کر رہے تھے۔ ان کی رفتار بھی زیادہ نہیں تھی۔ اوپر پہاڑ پر جنگل تھا۔ وزیر خان اس جنگل کے ہی ارادے

سے نکلا تھا۔ لیکن ابھی غاصل بہت قرا اور بارش طوفانی ہو رہی تھی۔ جسٹس کموں میں ان کے لباس تر ہو گئے۔

"وزیر خان! تمہیں پناہ تلاش کر۔ بارش بہت تیز ہے۔ بارش کے شور کی وجہ سے اشٹلا کو چھٹا دروازہ۔

"نیم حساب! یہاں تو کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آتی۔ گلتا ہے۔ اب جنگل میں ہی پناہ لینے کی۔"

وہ گھوڑوں کو دوڑاتے رہے۔ بارش کا پانی اتنا سرد تھا کہ اشٹلا کے جسم میں قہر قہر سے دوڑنے لگی۔ اب تو بارش کی بوچھاڑ اسے گھوڑوں کی طرح لگ رہی تھی۔

ابھی وہ جنگل سے گھر دوڑی تھی کہ وزیر خان کی نظر اشٹلا اس پہاڑی کو پہرے پر پڑی۔ اس نے چچ کر اشٹلا سے رکے کو کہا اور خود گھوڑے کو گھوڑی طرف موڑ لیا۔ اس نے اندر جا کر مارتہ لیا۔ وہ اچھا خاصا بادشاہ تھا۔ وہ پٹنا اور بارش نکل آیا "تو تو کافی بڑا ہے" اس نے اشٹلا کو بتایا "بارش رکے تک ہم یہ آسانی یہاں تک سکتے ہیں۔ یہاں گھوڑوں کا مسئلہ ہے گا۔ آپ جلدی سے تار میں چلیں۔ میں گھوڑوں کو کسی درخت سے باندھ کر آتا ہوں۔"

اشٹلا تیزی سے گھوڑے سے اتاری اور تار میں چلی گئی۔ چار خاما گرم تھا۔ لیکن لباس بھگ جانے کی وجہ سے اس پر جو گراہ چڑھا ہوا تھا۔ وہ ابھی آسانی سے اترنے والا نہیں تھا۔ اور وزیر خان نے گھوڑوں سے زمین کو ملے ساتھ بندھے ہوئے تھیلوں میں کھیل بھی تھے "جو اس نے اشتیاق رکھے تھے۔ وزیر خان اور تھیلے لے کر تار میں بھاگا "تھیلوں میں کھیل ہیں۔ بچے کیڑے پتھر گریں گے۔ آپ کیڑے اندر کر کھیل لپیٹ لیں۔ میں گھوڑوں کو کہیں باندھ کر آتا ہوں۔"

وزیر خان گھوڑوں کی نگاہیں قیام کر اوپر چل دیا۔ ایک درخت اس کی نظر میں تھا۔ گھوڑوں کو پناہ گراہیں آتے ہوئے اس نے کچھ درختوں سے چلی پھولی ٹھیلیاں توڑیں جو سو گئی تھیں۔ ابھی خاص ٹھیلیاں منج کر کے وہ تاری کی طرف چل دیا۔ غار میں اشٹلا خود کو کھیل میں لپیٹے زمین پر بیٹھی تھی۔ اس کے بالوں سے اب بھی پانی ٹپک رہا تھا۔ اس کے جسم میں اب بھی بگی سی لرزش تھی۔ وزیر خان نے کچھ پھولی ٹھیلیاں رکھ کر انہیں چلایا۔ ٹھیلیاں سک اٹھیں تو اس نے اوپر ہی ٹھیلیاں ترتیب سے رکھ دیں۔ آگ لگا کر اس نے دوسری تین اشٹلا کے برابر ڈالی اور خود بہ پھیر کر کھیل کی آڑ میں کیڑے اڑانے میں مصروف ہو گیا۔ کیڑے اس نے آگ کے سامنے دکھ دیے۔ اشٹلا اپنے کیڑے پہنچی رکھ چکی تھی۔

دوسری زمین پر بیٹھ کر اس نے اشٹلا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا "اوسے۔ آپ تو ابھی تک لرز رہی ہیں۔ بہت سردی لگ رہی ہے۔"

اشٹلا نے کوئی جواب دینے کی بجائے ناگوار سی سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ لیکن وزیر خان کی گرفت بہت مضبوط تھی۔

"زیں میں بے آرام بیٹھنے کی کیا ضرورت ہے۔ وزیر خان نے کہا "ہم دونوں ایک کھیل میں بیٹھ سکتے ہیں۔ وہ سراج پھانے کے کام آسکتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "سراج پھانے کے کام آسکتا ہے۔"

لیکن وزیر خان اپنا کھیل بچانے میں مصروف ہو گیا۔ اشٹلا نے اٹھ کر تار کے دھانے کی طرف بھاگا چلا۔ مگر وزیر خان نے اسے روک لیا "کہاں جاتی ہو چڑیا بھر۔ رکے کے دیکھ کر ایک کھیل میں کتنی گرمی ہوئی ہے۔"

"تم مجھے ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گے۔ میں نے پہلے ہی ہاتھ ہٹا کر میری اجازت کے بغیر تم کچھ بھی نہیں کر گے۔" اشٹلا نے کہا۔ لیکن وزیر خان کی نگاہوں سے اسے خوف نہ لگا۔

"اس علاقے میں ایسا نہیں ہوتا۔" وزیر خان نے تہہ لبے میں کہا اور اس کے کھیل میں گھس گیا۔ اس نے اشٹلا کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھا۔ اور اس کی آنکھوں میں دھندلا رہا۔ اس کی آنکھوں میں سرد مری اور سختی تھی "تم مجھے یہ توقف سمجھتی ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ کل تم نے کیا کھیل کھیلا ہے۔ اب میں حکم کا ظام بن کر نہیں رہ سکتا۔"

"میں کچھ بھی کروں۔ تم کون ہوتے ہو اعتراض کرنے والے۔ اپنی اوقات یاد رکھو۔" اشٹلا بھڑکی۔

UP LOADED BY

SALIMSALKHAN

@YAHOO.COM

اپلوڈر از سلیم سل خان

نواب میں وزیر خان کا ہاتھ حرکت میں آیا اور اسٹیل کے رخسار پر انگلیوں کے نشانات ثبت ہو گئے۔ اسٹیل طلق کے بل چلانے لگی۔ اس کی جگہ پکانے سے وزیر خان پر وحشت طاری ہو گئی۔ اس نے اسٹیل کو بھینسوز والا۔ اسٹیل اپنے دھڑکے کے لیے پکارتی رہی۔ پھر وہ گڑ گڑائی اور آخر میں بے بسی جو کرکالیاں بھی رہی۔ لیکن وہ بالوں کے پھول میں آئی ہوئی چھائی طرح تھی۔ مزاحمت اس کے ہنس میں ہی نہیں تھی۔

باہر بادشہ اسی طوفانی انداز میں بددیہی تھی۔ غلام کے اور طوفان غور کا تھا۔ اسٹیل کی سسکیوں اور وزیر خان کے ہانپنے کے ساتھ نہیں کوئی آواز نہیں تھی۔ وزیر خان نے اپنے طور پر اسٹیل کو لچک دیا تھا۔ لیکن اس کی وحشت ختم نہیں ہوئی تھی۔ وہ غرت بھری نظروں سے اسٹیل کو دیکھ رہا تھا۔

"تم تصور نہیں کر سکتے تھوس آدمی کہ تمہارا کیا مشر ہوئے والا ہے؟" اچانک اسٹیل چلائی "تمہیں اپنے اس کتے میں کی وہ مزاحمت کی کہ وہ مردوں کو بھی عبرت ہوگی۔ تمہیں کتے کی موت نصیب ہوگی۔ تریب تریب کر مرنے لگے۔ یہ میرا وجود ہے تم سے۔" وہ چاربات کی مد میں کے جاری تھی۔ اس نے نہیں دیکھا کہ اس کے کتے ہوئے ہر لحاظ پر وزیر خان کے چہرے کا آئینہ کس طرح بدل رہا ہے۔ اس کی نظروں تو اس وقت انہیں جب وزیر خان لہجہ کا کھلا دلالت رہا تھا۔ "تو مجھے دیکھا جاتا ہے؟" وہ غرت سے کہہ رہا تھا "نئے وزیر خان کو؟" اور اس کی انگلیوں کا بازو بدھتا جا رہا تھا۔

اسٹیل میں کتنی تھکن وہ اب بھی اس کا کھلا رہے ہوئے تھا۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ اسٹیل کا جسم بے جان ہو چکا ہے۔ اس نے چونک کر دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے کھل گئیں۔ یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

○●○

سعید خان صحت پریشان تھا۔ بادشاہ نے کئی نام میں لے دی تھی۔ وزیر خان اور تمام سبب واپس نہیں آئے۔ کئی کھینے ہوئے تھے۔ جیڑی راجہ میں چھ بچے کا بیچ پاپا تو اس نے سکون کی سانس لی۔

ایک کھینے بعد بادشاہ تھی تو وہ انہیں اصرار سے اٹکے۔ لیکن انہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کس طرف گئے ہوں گے۔ کھوڑوں پر تو آدمی نہیں بھی جا سکتا ہے۔ اسے بڑے علاقے میں انہیں تلاش کرنا آسان نہیں تھا۔ ہجرات بھی ہو گئی اور انہیں لوشا پڑا۔ اگلے روز پورا دن گزر چلا ہے پر بھی ان کا سراغ نہ مل سکا۔ جیڑی راجہ میں شہر کاری طور پر بھی مدد طلب کر لی۔ سعید خان کے گاؤں کے لوگ بھی تلاش میں شامل ہو گئے۔ وزیر خان کے گھر والے بھی بہت پریشان تھے۔

پانچویں دن لاش مل گئی۔ دونوں کھوڑوں اور وزیر خان کا

کھینچ نہیں تھا۔ لیکن سب کچھ واضح تھا۔

جیڑی راجہ میں انگریز بھی تھا اور باغیہ راجہ بھی۔ وزیر خان کی تلاش میں کوئی دقیقہ فرو کرنا نہیں کیا گیا۔ لیکن اسے سب سے زیادہ اشارت مل گیا تھا۔ وہ ہاتھ نہیں کیا۔ بلکہ اس کے متعلق بھی کوئی اطلاع بھی نہیں ملی۔ جیڑی راجہ میں ہزار سال شریف آدمی کے ہاں نے وزیر خان کے گھوڑوں کو بھی پریشان نہیں کیا۔ لیکن وہ حسرت سے اسے تلاش کرتا رہا۔ یہ الگ بات کہ اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ وہ سال ہو گئے۔ راجہ کی شاہی ہو گئی۔ وزیر خان سے نہیں۔ اس لیے کہ وزیر خان نے تو اپنے گھوڑوں سے بھی رابطہ نہیں کیا تھا۔ راجہ کی شاہی انہیں گھر میں ہوئی تھی۔ اس کا شہر بھی گھر سے اچھا تھا۔ سعید خان بہت خوش تھا۔ اس کے نزدیک تو اسٹیل راجہ میں کوئی کھن کرے سے پہلے بھی وزیر خان راجہ کے قاتل نہیں تھا۔ جان بچوت گئی تھی۔

○●○

"تو یہ ہے اس بے نظیر مزاحمت کی کوئی شبیہ فرقان نے بھی سانس لے کر کہا "اور یہ ہے انگریزوں کی عبرت لیا میرٹ کرے اور اس مٹی کو انگریز کے خون سے غسل دینے کا۔" جو کچھ جانتا تھا اس نے نہیں بتایا۔ اب فیصلہ تم خود کر لو۔ میں کچھ نہیں کہوں گا۔"

ایک فوجیوں نے سر اٹھایا اور بابا فرقان سے پوچھا "آپ نے یہ نہیں بتایا کہ وزیر خان کا کیا ہوا؟"

"نکل کے اس واقعے کے چاروں سر بعد ملک آباد ہو گیا اور وزیر خان ابھو کی شبیہ سے واپس آیا۔"

"آپ ووٹ کے سلسلے میں ہمیں کوئی مشورہ دیں گے؟" ایک اور فوجیوں نے پوچھا۔

بابا فرقان تھوڑی دیر سوچا رہا "میں کیا مشورہ دے سکتا ہوں؟" بالآخر اس نے کہا "تم لوگ بڑھے لکھے ہو۔ مجھ سے زیادہ سمجھ دار ہو۔ تم بہتر فیصلہ کر سکتے ہو۔ اب تک تم کوئی اسباب بھی دیکھ چکے ہو۔ کیا اب تک نہیں سمجھ کر کہ اپنے جیسے لوگوں میں سے فریڈ شپ کرنا؟ جن سے جواب ملے بھی کر کو رو نہ کیا حاصل اس ہوسرت کہ یہ تو سی غلامی ہے۔ ہاں تم اس پر فخر کر سکتے ہو کہ اب بدیسی آقاؤں کی بجائے اپنی کی غلامی کر رہے ہو۔"

فوجیوں نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ بابا فرقان کا شکریہ ادا کیا اور انہیں سلام کر کے چلے آئے۔

انکیش کا نتیجہ سامنے آیا تو سب حیران رہ گئے۔ تھوڑے دنوں سے ہی سسی اپنے علاقے اور لوگوں کی خدمت کا شوق رکھنے والا امیدوار کامیاب ہو گیا تھا۔ اب لوگوں کی آنکھوں میں مستقبل کی امید کے دیے جھلما رہے تھے۔